جون ۱۹۹۱ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مسلم فیملی لاز آرڈی ننس پر علماء کرام کا تبص

ایک تاریخی دستاویز

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

تنظیم اسلامی پاکستان کے

کُل پاکستان اور علاقائی اجتماعات کا پروگرام

برائے سال ۱۹۹۱-۱۹۹۲ء . . . . اِن شاءَ اللہ و باذنہٖ وعونہٖ

- علاقائی اجتماع صوبہ بلوچستان بمقام کوئٹہ

  ۱۱، ۱۲، ۱۳ ستمبر ۹۱ء بدھ، جمعرات، جمعہ

- علاقائی اجتماع حلقۂ غربی پنجاب بمقام فیصل آباد

  ۲۰ تا ۲۲ ستمبر ۹۱ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

- علاقائی اجتماع حلقۂ جنوبی پنجاب بمقام ملتان

  ۱۸ تا ۲۰ اکتوبر ۹۱ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

- علاقائی اجتماع حلقۂ شمالی پنجاب بمقام راولپنڈی

  ۲۲ تا ۲۴ نومبر ۹۱ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

- علاقائی اجتماع حلقۂ شرقی پنجاب بمقام گوجرانوالہ

  ۲۵ تا ۲۷ دسمبر ۹۱ء بروز بدھ، جمعرات، جمعہ

- علاقائی اجتماع صوبۂ سندھ بمقام کراچی

  ۲۴ تا ۲۶ جنوری ۹۲ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

- علاقائی اجتماع صوبۂ سرحد بمقام پشاور

  ۲۱ تا ۲۳ فروری ۹۲ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

- **سالانہ اجتماع تنظیمِ اسلامی پاکستان**

  بمقام لاہور ۱۷ تا ۲۰ اپریل ۹۲ء جمعہ تا پیر

چودھری غلام محمد، معتمد تنظیم اسلامی پاکستان

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اُوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۴۰
شمارہ: ۶
ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ
جون ۱۹۹۱ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زر تعاون ۵۰/-

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel : 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel : 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel : 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel : 01 805 8732

MID EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel : 479 192

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel : 42127

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O. Box 251
Riyadh 11411
Tel : 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/=
c/o Mr. M.A. Habib
CC 720 Saudia P.O. Box 167
Jeddah 21231
Tel : 651 3140

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعاتِ تنظیمِ اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

❖ عرضِ احوال ——— ۳

عاکف سعید

❖ تذکرہ و تبصرہ ——— ۷

حالاتِ حاضرہ، بالخصوص سرکاری شریعت بل

اور اس میں موجود خامیوں کے بارے میں تنظیمِ اسلامی کا موقف

امیرِ تنظیمِ اسلامی کے حالیہ خطاباتِ جمعہ کے آئینے میں

❖ عظمتِ قرآن بزبانِ قرآن و صاحبِ قرآنؐ ——— ۱۷

ڈاکٹر اسرار احمد

❖ مسلم فیملی لاز آرڈی ننس پر علماءِ کرام کا تبصرہ ——— ۴۳

ایک تاریخی دستاویز

❖ فریضۂ حج ——— ۵۹

حجاج کرام کی خدمت میں چند گزارشات

ڈاکٹر اسرار احمد

❖ افہام و تفہیم ——— ۷۵

شرکاءِ درس کے سوالات اور امیرِ تنظیم کے جوابات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

سرکاری شریعت بل قومی اسمبلی میں منظوری کا مرحلہ طے کرنے کے بعد سینٹ کی گھاٹی بھی کامیابی سے عبور کر چکا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی کا اس پر یہ فوری تأثر کہ اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ قوم کو اس موقع پر مبارک باد دی جائے یا اس کے ساتھ اظہارِ تعزیت کیا جائے' بہت سے لوگوں کو اپنے دل کی آواز محسوس ہوا۔ یوں تو اس بل کی خامیوں اور نقائص کے بارے میں اخبارات میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے' جو بہت حد تک امرِ واقعہ کے مطابق ہی ہے' لیکن ہمارے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ تشویش بات جس کی جانب امیر تنظیمِ اسلامی بار بار توجہ دلا چکے ہیں' یہ ہے کہ اس ناقص و نامکمل بل کی منظوری کے ذریعے بعض حلقوں کی جانب سے دانستہ یا نادانستہ طور پر عوام میں یہ تأثر پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ نفاذِ شریعتِ اسلامی کی منزل سَر کر لی گئی ہے۔ اس نوع کے بیانات بلا ناغہ اخبارات کی زینت بنتے ہیں کہ "قیامِ پاکستان کا مقصد حاصل کر لیا گیا" اور "نفاذِ شریعت بل کی منظوری کے ذریعے ملک میں قیامِ نظامِ مصطفٰےؐ کا خواب پورا ہو گیا" وغیرہ۔ چنانچہ ملک کے بعض دینی و مذہبی طبقات فی الواقع اس نشے اور سرور میں سرخوش و سرمست نظر آتے ہیں کہ پاکستان میں شریعتِ اسلامی اور نظامِ اسلام کے نفاذ کا مرحلہ طے پا چکا ہے —— جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس شریعت بل کی منظوری کے ذریعے ہم نے شریعتِ اسلامی کے تمسخر و استہزاء کی انتہا کر دی ہے۔ ہماری ڈھٹائی اور جسارت کا یہ عالم ہے کہ ایک جانب ہم نفاذِ شریعت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور مذکورہ بل کی منظوری پر ایک دوسرے کو مبارک بادیں دینے اور ایک دوسرے سے مبارک باد وصول کرتے نہیں تھکتے اور دوسری طرف ہم نے بین الاقوامی مالیاتی معاملات میں آئندہ ہمیشہ کے لئے سُود کو برقرار رکھنے کا اعلان کر کے اگرچہ اپنے "مغربی اَن داتاؤں" کی ناراضگی سے تو خود کو بچا لیا ہے لیکن درحقیقت اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف حالتِ جنگ جاری رکھنے کا ڈنکے کی چوٹ اعلان کر کے اپنی بدبختی اور محرومی پر ہم نے گویا مُہرِ

تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ہمارے صبر اور قناعت پسندی کی داد دیجئے کہ ہم اپنے اس فیصلے پر مطمئن اور قانع ہی نہیں' شاداں و مسرور نظر آتے ہیں۔ صدمے اور رنج کی اصل بات یہ ہے کہ اس معاملے میں ہم احساسِ زیاں سے بھی خوفناک حد تک عاری اور تہی ہو چکے ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!

شریعت بل میں سُود کو تحفظ دینے کے معاملے پر امیرِ تنظیم نے حال ہی میں ۱۷ر مئی اور ۲۴ر مئی کے خطاباتِ جمعہ میں مفصّل اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان خطابات کو مرتّب کر کے "ندا" کے تازہ شمارے میں' جس پر ۱۵ر جون کی تاریخ درج ہے' شائع کیا جا چکا ہے۔ "میثاق" کے زیر نظر شمارے میں ان خطاباتِ جمعہ کے پریس ریلیز شامل کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔

۳۱ر مئی کے خطابِ جمعہ میں امیرِ تنظیم نے بالخصوص عائلی قوانین کے مسئلے کو موضوعِ گفتگو بنایا اور موجودہ خلافِ اسلام عائلی قوانین کو جو ۱۹۶۲ء سے نافذ چلے آ رہے ہیں' فوری طور پر ختم کرنے اور اس ضمن میں فیڈرل شریعت کورٹ کے ہاتھ کھولنے کا مطالبہ پوری شدت سے پیش کیا۔ امیرِ تنظیم نے مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے بارے میں علماءِ کرام کے اس تاریخی فیصلے کا حوالہ بھی دیا جس کی رُو سے پاکستان میں بسنے والے تمام مذہبی مکاتبِ فکر کے چوٹی کے علماء نے متفقہ طور پر مسلم فیملی لاز آرڈیننس کو خلافِ اسلام قرار دیا تھا۔ علماء نے اپنے بیان میں اس آرڈیننس پر شق وار گرفت کرتے ہوئے ہر اس نکتے کی صراحت کی تھی جو انہیں خلافِ اسلام معلوم ہوا۔ علماء کرام کا وہ تفصیلی بیان جو بلاشبہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے' اس شمارے میں شامل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے خطّے میں گزشتہ ۳۰ برسوں سے صریحًا خلافِ اسلام عائلی قوانین نافذ العمل چلے آ رہے ہیں اور آج تک ہمیں اس کے خلاف کوئی عوامی تحریک اٹھانے کی توفیق نہیں ہوئی حالانکہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اس معاملے میں اس درجے بیداری اور غیرت کا ثبوت دیا کہ انہوں نے اپنے یہاں مسلم فیملی لاز میں سپریم کورٹ کی ایک معمولی سی دخل اندازی کو بھی گوارا نہیں کیا اور اتنا زبردست اور بھرپور احتجاج کیا کہ وہاں کی حکومت کی ناک

رگڑوا دی اور راجیو حکومت کو یہ بات تسلیم کرتے بنی کہ مسلمانوں کے فیملی لاز کے معاملے میں سپریم کورٹ بھی دخل اندازی کی مجاز نہ ہوگی! اور ہم نے اس معاملے میں ستم کی انتہا کر دی ہے۔ حد یہ ہے کہ موجودہ شریعت بل میں بھی اس بارے میں مداہنت کی روش برتی گئی ہے' بلکہ حکومتی حلقوں کی جانب سے انہی سابقہ خلافِ اسلام عائلی قوانین کو برقرار رکھنے اور انہیں تحفظ دینے کی واضح الفاظ میں یقین دہانی کرائی جا رہی ہے۔ ع
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!

☆ ☆ ☆

شریعت بل کی ان خامیوں' بالخصوص سُود اور عائلی قوانین کے معاملے میں مداہنت برتنے کے خلاف امیر تنظیم اسلامی نے اپنے خطاباتِ جمعہ میں تو آواز اٹھائی ہی تھی' اس بار "نہی عن المنکر باللسان" کا ایک ذریعہ یہ بھی اختیار کیا گیا کہ نمایاں اخباری اشتہارات کے ذریعے اپنا موقف عوام کے سامنے پیش کر کے گویا اپنا اختلاف رجسٹر کروا دیا گیا۔ اس ضمن میں اب تک تین بڑے اشتہارات اخبارات میں شائع کرائے جا چکے ہیں۔ اس معاملے میں الحمدللہ ہمیں یہ سہولت حاصل رہی کہ ان تین میں سے دو اشتہارات کا خرچ بعض اہلِ خیر نے برداشت کیا اور اس طرح ہماری بات کو عوام تک پہنچانے میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء۔ ان اشتہارات کے ذریعے تنظیم اسلامی کا نقطۂ نظر نہایت واضح انداز میں ملک میں پڑھے لکھے لوگوں کے ایک بہت وسیع حلقہ تک پہنچا اور اس کے مفید اور خوشگوار اثرات بڑے پیانے پر محسوس کئے گئے۔ ملک کے بعض نامور صحافیوں نے اپنے اخباری کالموں میں ان اشتہارات کے مضمون کو موضوع بحث بنایا اور اپنے اپنے انداز میں اس پر رائے زنی کی۔ ظاہر بات ہے کہ ہر نوع کے ذہن کے لوگوں اور بالخصوص سیکولر مزاج لوگوں کے لئے تنظیم اسلامی کا موقف پورے طور پر قابل قبول نہیں ہو سکتا' تاہم اخباری کالموں میں اس طور سے ان اشتہارات کا موضوع گفتگو بننا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اخبار بین طبقے نے ان اشتہارات کے وزن اور ان کی اہمیت کو محسوس کیا ہے ـــــــ ان اخباری اشتہارات کے ساتھ ساتھ تنظیم اسلامی لاہور شہر نے اس معاملے میں اپنے احتجاج کو رجسٹر کروانے کے لئے جون کو احتجاجی مظاہرہ کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ یہ مظاہرہ تنظیم کی سابقہ روایت کے مطابق

خاموش اور پرامن ہوگا۔

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہونے کے لئے وسط جون میں عازم حجاز ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اس سال حج کرنے کا خیال پہلے سے ذہن میں نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے غیر محسوس طور پر اچانک کچھ ایسے اسباب جمع کر دیئے کہ سفرِ حج کی صورت بن گئی۔ راقم پر بھی اللہ کی یہ عنایت ہوئی کہ امیرِ تنظیم کے ساتھ ہی گویا اس کا بھی قُرعہ نکل آیا۔ بلاشبہ یہ سب کچھ مِنّ جانبِ اللہ ہوا۔ راقم کے لئے یہ دوہری سعادت کا معاملہ ہوگا کہ اسے اپنے والد اور والدہ کی ہمراہی میں سفرِ حج کی سعادت نصیب ہوگی، فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃ۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس دعا میں ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سفر کو ہمارے لئے واقعۃً خیر و برکت کے حصول کا ذریعہ بنا دے اور یہ حج ہمارے حق میں حجِ مبرور ثابت ہو۔ (آمین) ——— خیال ہے کہ امیر تنظیم فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد وہیں سے شمالی امریکہ کے سفر پر روانہ ہو جائیں گے جو پہلے سے طے پا چکا تھا۔ امریکہ سے واپسی پر امیرِ محترم ایک ہفتے کے لئے ملائشیا رُکنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔ گزشتہ سال بھی انہیں ملائشیا میں تین روز کے لئے قیام کا موقع ملا تھا لیکن ملائشیا میں قیام کے اعتبار سے وہ تین روز بہت ہی ناکافی ثابت ہوئے اور وہاں کی احیائی تحریکوں کو قریب سے دیکھنے اور ان سے متعارف ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ توقع ہے کہ اس بار وقت کی تنگ دامانی آڑے نہیں آئے گی۔

بقیہ: "پریس ریلیز"

نہ ہوئی، جس پر خود قرآن مجید میں حد درجہ باریک تفصیلات تک احکام موجود ہیں، تو شریعت کا نفاذ آخر کہاں ہوگا؟ مسجد میں ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ دستور کی موعودہ ترمیم کے ذریعے فیڈرل شریعت کورٹ پر عائد جملہ پابندیاں ختم کر کے شریعت کے ساتھ کامل وفاداری کا ثبوت دیا جائے تاکہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک کے بارے میں وہ اندازے غلط ہو جائیں کہ وہاں نام نہاد مسلمان قیادت اسلام کی جڑیں کھودنے میں غیر مسلموں سے بھی زیادہ جری ہوگی۔

تذکرہ وتبصرہ

حالاتِ حاضرہ ،
بالخصوص سرکاری شریعت بل اور اس میں موجود خامیوں کے بارے میں
تنظیمِ اسلامی کا موقف
امیر تنظیمِ اسلامی کے حالیہ خطاباتِ جمعہ کے آئینے میں

ـــــ ۱۰ر مئی کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز ـــــ

لاہور: ۱۰ر مئی۔ امیر تنظیمِ اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ کل جو متفقہ شریعت بل قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے گا' اسے سلیکٹ کمیٹی نے مزید قابلِ قبول بنانے کے لئے اسلام کی روح سے پہلے کے مقابلے میں زیادہ محروم کر دیا ہو گا' جس میں مولانا شیرانی کے سوا کوئی عالمِ دین موجود نہ تھا۔ وہ مسجد دارالسلام باغِ جناح میں اجتماعِ جمعہ سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ دینی اور مذہبی جماعتوں کا ردِّعمل مِلا جُلا سا ہے اور بل کے اسمبلی میں پیش ہونے پر ہی معلوم ہو سکے گا کہ اس کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا۔ سلیکٹ کمیٹی سے گزر کر آنے والے سرکاری شریعت بل کو حکومت اسمبلی میں اپنی عددی برتری کے زور پر بڑی آسانی سے اور عُجلت میں پاس کرا لینے کی پوزیشن میں ہے' جس کے بعد وہ فاتحانہ عوام کے سامنے آ سکتی ہے کہ دیکھو ہم نے شریعت بل پاس کر دیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ میں امید و بیم کی کیفیت میں مبتلا ہوں' تاہم زیادہ قوی اندیشہ یہی ہے کہ مذہبی اور دینی سیاسی جماعتیں شریعت بل میں مطلوبہ اصلاح و ترمیم منظور کرانے میں ناکام ہوں گی اور ان کو دو میں سے ایک راستے کا انتخاب کرنا ہو گا۔ ایک یہ کہ وہ عوام میں نکل آئیں اور ایجی ٹیشن چلائیں اور دوسرا یہ کہ اپنی مادر جماعت آئی جے آئی کو جس کا وہ حصہ ہیں یا حمایت دے چکے ہیں' اس دھمکی پر اکتفا کریں کہ بل کو ٹھیک کر لو ورنہ .... ورنہ ہم اسی تنخواہ پر کام کریں گے۔ امیر تنظیمِ

اسلامی نے کہا کہ ایجی ٹیشن کے لیے لوگوں کو سڑکوں پر لے آنا موجودہ حالات میں زیادہ مشکل نہیں جب امن و امان کی صورتحال اور خوفناک مہنگائی نے ویسے بھی عوام کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ لیکن میں ہرگز اس کا مشورہ نہ دوں گا' کیونکہ اس کے نتیجے میں صرف یہ ہوگا کہ ملک میں سیاست کی گاڑی ایک بار پھر پٹڑی سے اتر جائے گی۔ ہمارے دینی حلقے منظم اور متفقہ قیادت کے تحت مظاہروں کو پُرامن اور بامقصد بنانے کے لئے ضروری تیاری سے محروم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بصورتِ دیگر ان لوگوں کو اسمبلیوں میں اپنی سیٹیں چھوڑ کر باہر آ جانا چاہئے تاکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ میں خود تو شریک نہ ہوں' لیکن اس کی بھی توقع نہیں کیونکہ حکومتی آسائشیں اور عوامی نمائندوں کے طور پر اپنے استحقاق کا انہیں چسکا پڑ چکا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ شریفہ کی روشنی میں واضح کیا کہ ایک بات بہرحال طے ہے کہ مالی لین دین میں سُود نامی کسی چیز کا وجود پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے' اور یہ کہ اللہ تعالٰی نے اسے بدترین حرام شے قرار دیا اور اسے ترک نہ کرنے والوں کو شدید ترین وعیدیں سنائی ہیں۔ اب اگر ہم اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں' یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کو علم تھا کہ ایک زمانے میں اس کی متعدّد شکلیں پوری انسانی معیشت کو لپیٹ میں لے لیں گی اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآنِ حکیم ابد تک کے لئے راہنمائی اپنے اندر رکھتا ہے تو ہمیں کم از کم یہ معلوم تو کرنا چاہئے کہ ہمارے ہاں مالی معاملات میں کون کون سی چیزیں سُود کے حکم میں آتی ہیں اور اس کے لئے فیڈرل شریعت کورٹ کو اختیار ہونا چاہئے کہ بلا مزید کسی تاخیر کے یہ فیصلے دینے شروع کر دے کہ معیشت میں سُود کا عنصر کہاں اور کتنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک فیڈرل شریعت کورٹ کی طرف سے مقننہ اور انتظامیہ پر' جو ہمارے ہاں گڈمڈ ہو کر ایک ہوگئی ہیں' یہ پابندی عائد نہ ہوگی کہ فلاں فلاں چیزیں خلافِ اسلام ہیں جن کا متبادل مقرّرہ میعاد میں تلاش نہ کیا گیا تو وہ کالعدم قرار پائیں گی' اس وقت تک کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ بیٹھ کر محنت کرے اور متبادل صورتیں تلاش کرے۔ انہوں نے کہا کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے' یہ ضرورت جونہی لاحق ہوئی متبادل راستے نکلتے چلے آئیں گے' کیونکہ بطور مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ حرام سے بچ کر بھی زندگی کے معاملات ضرور چلائے جا سکتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو علیم و حکیم خدا انہیں حرام قرار ہی نہ دیتا۔ امیر تنظیمِ اسلامی نے یاد دلایا کہ ہمارے ایک ماہرِ اقتصادیات مرحوم شیخ محمود احمد نے دنیا بھر کے ترقی یافتہ اور نیم ترقی یافتہ اقتصادی نظاموں سے مصدّقہ اعداد و شمار لے کر ثابت کیا تھا کہ آج بھی سُود تمام معاشی خرابیوں کی جڑ ہے۔ انہوں نے سائنسی انداز میں اور معیشت کی مروّجہ اصطلاحات میں حساب لگا کر دکھا دیا ہے کہ سُود کی

شرح کے ساتھ بے روزگاری اور افراطِ زر کی شرح خود بخود بڑھتی ہے اور سُود کی شرح کو صفر فیصد پر لے آیا جائے تو دورِ جدید کی یہ دونوں بیماریاں معاشرے کی جان بالکل چھوڑ دیتی ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ دس اپریل کو گزرے ایک ماہ کا عرصہ ہوگیا ہے جب وزیر اعظم نواز شریف نے شریعت اور اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی کے بارے میں بڑی ہی قابلِ قدر اور حوصلہ افزا باتیں کہیں، لیکن انہیں بامعنی بنانے والا دستوری ترمیم کا بل ابھی تک پیش نہیں کیا گیا۔ انہوں نے خبردار کیا کہ نفاذِ شریعت میں کسی فریب دہی اور فیڈرل شریعت کورٹ پر کسی پابندی کی شکل میں سُود کی حُرمت کو ٹالنے کی کوشش قابلِ قبول نہ ہوگی۔ اگرچہ ایجی ٹیشن اس نازک وقت میں بڑی ہی خطرناک ہوگی جب ملک داخلی اور خارجی مشکلات کا شکار ہے، تاہم اس کے امکان کو ردّ نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک تنظیمِ اسلامی کا تعلق ہے، وہ ابھی مزاحمتی لیکن منظم اور پُرامن مظاہرے کرنے کی ضروری اہلیت اپنے اندر پیدا نہیں کر سکی چنانچہ وہ دل سے بُرا سمجھنے اور زبان سے مُنکر کو منکر کہتے رہنے پر فی الحال اکتفا کریں گے اور حکومت اور قوم کو بیک وقت یہ بتاتے رہیں گے کہ اللہ اور رسولؐ سے جنگ کا خیال چھوڑ کر سرِتسلیم خم کر دینے کی روش اپنائی جائے۔ قبل ازیں ڈاکٹر اسرار احمد نے بتایا کہ ضرورت سے زیادہ سرمایہ یعنی قدرِ فاضل ہی درحقیقت مارکس کے فلسفے کی جڑ ہے اور اسی کو "انفاق" کے راستے پر ڈال کر اسلام سُود اور معاشی استحصال کا دروازہ بند کرتا ہے۔

جمعہ کے اس اجتماع میں ایک قرارداد بھی اتفاقِ رائے اور جوش و خروش سے منظور کی گئی جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ سرکاری شریعت بل کو واپس لے کر پرائیویٹ شریعت بل کو، جو سینٹ سے پاس ہو چکا تھا، اس اضافے کے ساتھ قومی اسمبلی سے بلا تاخیر منظور کرایا جائے کہ سُود کی جو شکل بھی خلافِ اسلام قرار دی جائے، اس کی تنفیذ کو مؤثر بہ ماضی کیا جائے اور ملک کے اندر باہر یکساں طور پر اس پر عملدرآمد کیا جائے۔ مزید مطالبہ کیا گیا کہ نظامِ زراعت کی اصلاح کے لئے ایک بااختیار اور اعلیٰ سطحی لینڈ کمیشن کی تشکیل کی جائے جو زراعت و بندوبستِ اراضی کے ماہرین اور علمائے دین پر مشتمل ہو، تاکہ معیشت کے اس اہم ترین شعبے میں بھی اسلامی اصلاحات کی جا سکیں جو قومی اقتصادیات کا سب سے بڑا ستون ہے۔ ○○

۱۷ مئی کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور: ۱۷ مئی۔ ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیمِ اسلامی نے کہا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ قومی اسمبلی کی منظوری کے بعد شریعت ایکٹ بن جانے والے شریعت بل پر مسلمانانِ پاکستان کو

مبارک باد دوں یا ان سے اظہارِ تعزیت کروں۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایک مثبت پیش رفت تو بہرحال یہ ہے کہ اب قرآن و سنّت کا ذکر ہمارے آئین کے تمہیدی باب میں ہی نہیں رہے گا بلکہ قانون سازی اور کاروبارِ حکومت میں بھی اس کا نام لیا جانے لگے گا، لیکن ۴۵ برسوں کے طویل عرصے کے بعد ہم نے قرآن و سنّت کی بالادستی کو تسلیم کیا بھی تو اس سے کچھ نہ کچھ چیزوں کو مستثنیٰ رکھ ہی لیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ تعزیت کی بات یہ ہے کہ بہت کچھ مان لینے کے بعد بھی ہم اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ جاری رکھنے کے فیصلے پر قائم ہیں۔ سُودی لین دین کو تین سال کی مدّت کے لئے تحفظ دیا گیا تھا اور اس مدّت میں توسیع بھی ممکن تھی، لیکن اب اسے "کم سے کم مدّت میں" کے الفاظ سے بدل کر اعتراض کرنے والوں کی آنکھوں میں دُھول جھونک دی گئی ہے، کیونکہ "کم سے کم" اور "زیادہ سے زیادہ" تو حد درجہ غیر متعیّن مفہوم رکھنے والے الفاظ ہیں۔ "کم سے کم مدت" کو ہم اپنی واقعی اور مفروضہ مجبوریوں کی آڑ لے کر شیطان کی آنت کی طرح کھینچ سکتے ہیں۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ جس نئے عالمی نظام کی باتیں سننے میں آ رہی ہیں، اس میں اور موجودہ عالمی نظام میں بھی سُود کو ریڑھ کی ہڈی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ فرنگ کی رگِ جاں اگر پنجۂ یہود میں ہے تو محض اس لئے کہ پوری دنیا سُودی نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور اس کا تانا بانا یہودیوں کے ہاتھ میں ہے، سُود خوری جن کے خون میں شامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ شریعت ایکٹ میں ہم نے اعلان کر دیا ہے اور واحد عالمی سپرپاور یعنی امریکہ کو یقین دلا دیا ہے کہ ہم اسی سُودی نظام میں جکڑے رہنا منظور کرتے ہیں جو سامراج نے تیسری دنیا اور خاص طور پر مسلمانوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ قرآن و سنّت کے سب سے بالادست قانون ہونے کی بات بڑی خوش آئند ہے لیکن دستور میں ترمیم کے بغیر اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ شاید شریعت ایکٹ کو بہت جلد چاروں ہائی کورٹوں میں چیلنج کر دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ معلوم نہیں کہ مجوزہ دستوری ترمیم کب آئے اور جب تک وہ نہیں آتی، شریعت ایکٹ پوری طرح موثر نہ ہو سکے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے ہاتھ دوبارہ باندھ دیئے جائیں گے جو دستور کی متعلقہ دفعہ کے مطابق ہتھکڑیوں سے آزاد ہو چکے ہیں اور اس طرح اسمبلیوں کو اس مجبوری سے آزاد کر دیا جائے گا جو فاضل عدالت کے فیصلوں کے تحت غیر اسلامی قوانین کی جگہ نئی اسلامی قانون سازی مطلوبہ مدّت کے اندر

کرنے کی صورت میں انہیں لاحق ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ شریعت ایکٹ میں شریعت کی تنفیذ کا کوئی طریقِ کار متعین نہیں کیا گیا اور اگر فیڈرل شریعت کورٹ پر پابندیوں کے سلسلے میں ان کا خدشہ درست نکلا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ پاس ہونے والا شریعت بل محض مبارک سلامت کی حد تک ہی کار آمد ہو گا جس سے مطلوبہ نتائج بر آمد نہیں ہوں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ شریعت دینے والے رحمۃ للعالمینؐ کی امت کے پس ماندہ طبقات کے لئے اُس نظامِ عدل کا شریعت ایکٹ میں کوئی ذکر نہیں آیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت کا خاص مظہر ہے' کیونکہ ہماری سیاسی قیادت کے ذہن پر مغربی نظام سرمایہ داری کا غلبہ ہے اور وہ یورپ کی بعض فلاحی ریاستوں کی برکتوں سے زیادہ کی کوئی بات سوچ بھی نہیں سکتے۔

انہوں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جے یو آئی فضل الرحمٰن گروپ کے سوا ان تو دینی' سیاسی اور مذہبی جماعتوں کا ذکر کہیں سننے میں نہیں آ رہا جنہوں نے سرکاری شریعت بل کو مسترد کر دیا تھا اور دعویٰ کیا تھا کہ سرکاری بل کو موجودہ صورت میں کسی طرح بھی منظور نہیں ہونے دیا جائے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے سوال کیا کہ کیا انہوں نے اسی تنخواہ پر کام کرتے رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ انہوں نے پوچھا کہ جماعتِ اسلامی کا موقف اب کیا ہے جس نے اسلامی جمہوری اتحاد کو "آئی ڈی اے" کے بجائے "آئی جے آئی" کہنے پر اس لئے اصرار کیا تھا کہ "جے آئی" یعنی جماعت اسلامی اس کا اٹوٹ انگ بنتا ہے۔ شریعت ایکٹ کی غیر اسلامی گذار بالخصوص سُود سے متعلق دفعات' بغیر کسی تبدیلی کے' مشرف بہ اسلام ہوئیں تو آخر کیسے؟

—— ۲۴ر مئی کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز ——

لاہور: ۲۴ر مئی ـ ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی پاکستان نے کہا ہے کہ فضا ان افواہوں اور اندازوں سے بوجھل تھی کہ نئے عالمی نظام میں بھارت کے آئندہ وزیر اعظم راجیو گاندھی امریکہ کے اگلے ہدف پاکستان کے خلاف استعمال ہوں گے اور ایک خوفناک پاک بھارت جنگ کی پیشین گوئیاں کی جا رہی تھیں جس میں پاکستان کو عراق کی طرح کا سبق سکھایا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو اندیشوں کے بھنور سے اسی طرح ایک بار پھر باہر نکال دیا ہے جیسے آنجہانی اندرا گاندھی کی زندگی کے آخری دنوں میں نکالا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس خطرے کے ٹلنے پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا' لیکن ہم نے اس کے برعکس ایک مشروط شریعت بل پاس کر کے گویا بہانگِ دہل اعلان کر دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے ہماری جنگ

جاری رہے گی۔

مسجد دارالسلام باغِ جناح میں خطاب کے دوران ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ راجیو گاندھی کے قتل سے بھارتی سیاست پہلے سے بھی زیادہ عدمِ استحکام کا شکار ہو جائے گی اور بھارت میں ایک کمزور سیاسی حکومت ہمارے لئے زیادہ بڑا خطرہ ہے جو داخلی انتشار سے اپنے عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے کسی بھی وقت مہم جُوئی کی بات سوچ سکتی ہے۔ انہوں نے راجیو گاندھی کے آخری انٹرویو کے حوالے سے کہا کہ اگرچہ وزیر اعظم کے مشیر برائے اطلاعات نے اس امر کی تردید کی ہے، تاہم مرحوم ضیاء الحق نے کشمیر کے مسئلہ پر راجیو گاندھی سے کوئی مفاہمت کر لی تھی تو اس میں تعجب کی بات بھی نہیں۔ کیونکہ اس وقت تک کشمیری مسلمانوں نے مسئلہ کشمیر کو اپنے ہاتھوں میں نہیں لیا تھا اور دونوں ملکوں میں سے کوئی بھی اس کے لئے ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہونے پر تیار نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ اب صورت حال بدل چکی ہے اور کشمیر اب بھارت اور کشمیری مسلمانوں کے درمیان ایک تنازعہ ہے جس میں پاکستان کی ہمدردیاں اور ہر ممکن تعاون بہرحال اپنے محکوم و مظلوم مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہیں۔

امیر تنظیمِ اسلامی نے کل سینٹ میں پیش ہونے والے نفاذِ شریعت بل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سینٹ میں بیٹھے ہوئے علماء اور اقامتِ دین کے علمبرداروں نے قومی اسمبلی سے موصول ہونے والے اس بل کا راستہ نہ روکا تو اسلام سے ان کے خلوص کا پول کھل جائے گا، جس میں نہ صرف اجتماعی زندگی کے اہم ترین شعبے یعنی معیشت کو شریعت سے آزاد رکھا گیا ہے بلکہ کئی اور چیزوں کو بھی تحفظ دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مروجہ سیاسی نظام میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جو شریعت کے صریحاً خلاف ہو، لیکن ہم نے اسے استثناء دے کر اپنے دل کے چور کو بہرحال ظاہر کر دیا ہے اور شریعت کے ساتھ خیانت کا ثبوت دیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے اختیارات کے بارے میں یہ کہنا غلط ہے کہ اس کی طرف سے جواز اور عدمِ جواز کے نتیجے میں قانون سازی عدلیہ کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ عدالت کا کام صرف یہ بتانا ہو گا کہ کون سا قانون شریعت کے خلاف ہے جس کا متبادل قانون اس صورت میں بھی مقننہ ہی کو بنانا ہو گا اور یوں قانون سازی بدستور منتخب اسمبلی کے دائرہ اختیار میں رہے گی۔

—— ۳۱ر مئی کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز ——

لاہور: ۳۱ر مئی ۔ انگریزوں کو دورِ غلامی میں بھی ہمارے عائلی قوانین پر دست درازی کی

ہمت نہ ہوئی اور اسے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے "محمڈن لاء" کے نام سے ایسا قانون بنانا پڑا جو مسلم پرسنل لاء کی روح کے مطابق تھا، لیکن ۱۹۶۱ء میں پاکستان کے فوجی آمر ایوب خان نے منکرینِ حدیث کے زیرِ اثر عائلی قوانین میں وہ ترامیم کیں جن کی مسلمانوں کے کسی فرقے کی فقہ اور اہلِ سنت کے کسی مسلک میں گنجائش نہ تھی۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اِسرار احمد نے جامع القرآن، ماڈل ٹاؤن میں جمعہ کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہی اور افسوس کا اظہار کیا کہ تیس سال سے غیر اسلامی عائلی قوانین یہاں مسلسل نافذ ہیں، جنہیں ۱۹۶۱ء میں تمام قابلِ ذکر شیعہ اور سُنّی علماء نے باتفاقِ رائے مسترد کر دیا تھا۔

انہوں نے کہا کہ بھارت میں بھی جہاں مسلمان اقلیت کو اب "مسلمان کے دو استھان، قبرستان یا پاکستان" جیسے نعرے سنائی دیتے ہیں، مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کی ہمت نہیں کی جا سکی۔ انہوں نے کہا کہ ایک کامن سِوِل کوڈ کے نام سے بھارت میں یکساں فیملی لاز کے نفاذ کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے تاکہ مسلمان کو اس کی آخری پناہ گاہ یعنی چار دیواری سے بھی باہر نکالا جا سکے، لیکن پچھلے دنوں بھارتی سپریم کورٹ کے ایک فیصلے کے خلاف یک جان ہو کر تحریک چلانے اور خون دینے کے بعد مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ وہ مٹ تو جائیں گے مگر اپنے مذہب میں ترمیم و اضافہ قبول نہ کریں گے، جس کے نتیجے میں اس وقت کے وزیرِ اعظم آنجہانی راجیو گاندھی کو متعصب ہندوؤں کی شدید مخالفت کے باوجود بھارتی لوک سبھا سے ایک قانون منظور کرانا پڑا جس کے نتیجے میں مسلم پرسنل لاء بھارتی عدالتوں کی دستبرد سے محفوظ ہو گیا ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے یاد دلایا کہ تقسیمِ ہند کے مخالف علمائے کرام کا موقف یہ تھا، جن میں سے اکثر کے خلوص و اخلاص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا، کہ ایک قومی تحریک کے نتیجے میں قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان سے اسلام ختم ہو جائے گا اور ہندوستان سے مسلمانوں کا نام مٹ جائے گا اور کہا کہ افسوس ہم نے ان کے اندیشے درست ثابت کر دیئے۔ ایوب خان کے نافذ کردہ عائلی قوانین کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہوئے بھی کہ وہ ہمارے دین میں مداخلت ہیں، علماء نے کبھی ان کے خلاف تحریک نہیں چلائی اور اگر چلائی تو وہ لادین عناصر کو ساتھ ملا کر جمہوریت کی بحالی کے لئے تھی، جس کے نتیجے میں ایوب خان کی ٹانگ تو کھینچ لی لیکن اس کے پیچھے سے ہمارے اعمال کی شامت میں بھٹو صاحب بر آمد ہو گئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ نفاذِ شریعت ایکٹ کے محرک آئی جے آئی کے وزیرِ قانون و پارلیمانی امور مغرب زدہ خواتین کو بار بار یقین دہانی کرا رہے ہیں کہ عائلی قوانین پر شریعت کی زد نہیں پڑے گی۔ انہوں نے پوچھا کہ اگر معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی خاندان پر شریعت نافذ

(باقی صفحہ ۶ پر)

سودی معیشت کے تسلسل کے خلاف

تنظیم اسلامی کی جانب سے شائع کرائے جانے والے اخباری اشتہارات کے عکس

(یہ اشتہارات ۲۶ مئی اور ۲۷ مئی کے اخبارات میں شائع کرائے گئے)

دولتِ خداداد پاکستان میں سُودی لین دین

پہلے بھی اندرونی اور بیرونی دونوں سطحوں پر جاری تھا۔ اور گویا اللہ اور رسولؐ کے خلاف

خاموش جنگ تو پہلے ہی سے جاری تھی، لیکن اب نام نہاد نفاذِ شریعت بل

کی منظوری کے ذریعے پوری دنیا کے سامنے سُود کو جاری رکھنے کا بانگِ دہل اعلان کر کے

ہم نے شریعت کے تمسخر اور استہزاء کی انتہا کر دی ہے!

اور گویا پوری ڈھٹائی کے ساتھ اللہ کے عذاب کو دعوت دے دی ہے!

وزیر اعظم پاکستان جناب نواز شریف!

اور نام نہاد اسلامی جمہوری اتحاد!

ابھی وقت ہے اللہ کی جناب میں توبہ کرلیں

اور فیڈرل شریعت کورٹ پر عائد شدہ جملہ پابندیاں ختم کر کے شریعتِ اسلامی کے ساتھ کامل

وفاداری اور خلوص و اخلاص کا ثبوت دیں!

تُوبُوا اِلَى اللهِ تَوبَةً نَصُوحًا

مبادا قوم پر وہ عذاب مسلط ہو جائے جس کا ٹالنا پھر کسی کے بس میں نہ رہے!

الداعی الی الخیر والناہی عن المنکر

تنظیمِ اسلامی پاکستان {امیر تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد}

۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور (فون ۳۰۵۱۱۰)

(پاکستان کے تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ جملہ سیاسی اور مذہبی گروہ بندیوں سے بلند ہو کر توبہ کی اس منادی میں تنظیم اسلامی کے ساتھ تعاون کریں یا صدائے حق اپنے طور پر بلند کریں)

معزز اراکین سینٹ توجہ فرمائیں!

پاکستان میں نفاذِ اسلام کے "دو" پہلو ہیں:

۱۔ قانونِ اسلامی یعنی شریعت کی تنفیذ اور

۲۔ اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی یعنی سماجی، سیاسی اور معاشی انصاف کا قیام —

جسے قائداعظم مرحوم نے اسلام کے اصولِ حریت واخوت ومساوات کی عملی مثال "پیش کرنے سے تعبیر کیا تھا!

- قانون نظام کو تحفظ دیتا ہے، اگر نظام ظالمانہ اور استحصالی ہو تو بہترین قانون بھی نہ صرف بے ثمر اور بے برکت اور علامہ اقبال کے الفاظ میں نخیلِ بے رطب بن کر رہ جاتا ہے بلکہ ظالموں کو تحفظ دینے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔
- اگرچہ شریعتِ اسلامی کا ہر حکم بابرکت ہے اور اس کا نفاذ ہم پر لازم ہے لیکن موجودہ استحصالی نظام کی موجودگی میں نہ صرف یہ کہ شریعت کی برکات ظاہر نہیں ہو سکیں گی بلکہ شریعت کے بدنام ہو جانے کا شدید اندیشہ ہے!
- موجودہ شریعت بل نے ایک جانب موجودہ ظالمانہ نظام کو مکمل تحفظ دیا ہے، اور دوسری جانب قانونِ اسلامی کی تنفیذ کے لیے بھی سیدھے اور ہموار راستے کو چھوڑ کر طویل اور پیچیدہ راہ اختیار کی ہے جس سے ملک کی تمام عدالتوں میں طویل بحثیں چھڑ جائیں گی۔
- نفاذِ شریعت کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ کار پر عائد جملہ پابندیاں بشمول عائلی اور مالی قوانین ختم کر دی جائیں۔ اور وہ جس جس قانون کو کالعدم قرار دے اس کی جگہ نئے قانون پارلیمنٹ بناتی چلی جائے۔ گویا "قانون سازی" اصلاً پارلیمنٹ ہی کی ذمہ داری ہو۔
- لیکن اہم ترین معاملہ یہ ہے کہ موجودہ استحصالی نظام کے خاتمے کے لیے حضرت عمرؓ کے فرمان "ترک کر دو نہ صرف صریح سُود کو بلکہ ہر اُس معاملے کو جس میں سُود کا شائبہ پایا جائے" (ابن ماجہ) اندرون ملک بھی نہ صرف سرمایہ اور نقدی کے سُود، بلکہ زمین کے سُود یعنی جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے
- اور بیرونی استحصالی قوتوں سے بھی کہہ دیا جائے کہ اگر تم بخوشی سُود ختم کر دو تو ہم اپنی سہولت کے مطابق تمہارے اصل زر لوٹانے کا وعدہ کرتے ہیں — ورنہ ہم تمہاری جانب سے جنگ قبول کر لیں گے، اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے نہیں! —— اور فاقہ کرنا قبول کر لیں گے سُود دینا نہیں۔

اور ع "گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!"

اور موجودہ شریعت بل کی حیثیت مذہبی سیاست بازوں کے لیے "لالی پاپ" یا کچھ فقیہوں اور مفتیوں کے معاشی مسئلے کے مولویانہ اور سرمایہ دارانہ حل کے سوا کچھ نہیں! پاکستان کے مسلمانو! خدا کے لیے غور کرو!!

تنظیمِ اسلامی پاکستان

امیرِ تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد

۶۷۔ اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو، لاہور (فون ۳۰۵۱۱۰) (عطیۂ اشتہار من جانب ایک بندۂ خدا)

☆ تنظیم اسلامی کیوں قائم ہوئی اور اس کے قیام کی اولین کوشش کب ہوئی؟

☆ اس کی "قرارداد تاسیس" قافلہ جماعت اسلامی سے جدا ہونے والے کن "اکابرین" کے اتفاق رائے سے منظور ہوئی تھی؟

☆ اولین کوشش میں ناکامی کے بعد دوبارہ اس کے قیام کا عزم کس نے کیا اور اس کا باقاعدہ قیام کب عمل میں آیا؟

☆ تنظیم اسلامی کے اساسی نظریات کیا ہیں اور اس کے پیش نظر اہداف و مقاصد کون کون سے ہیں؟

☆ امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کے پس منظر میں تنظیم اسلامی کا محل و مقام کیا ہے؟

☆ تنظیم اسلامی کے بانی کا فکری و تحریکی پس منظر کیا ہے؟

ان تمام سوالات کے تفصیلی جواب کیلئے

تنظیم اسلامی کے درج ذیل تین اساسی کتابچوں کا مطالعہ ناگزیر ہے

(۱)

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 1

عزمِ تنظیم

(سابقہ "سرا فگندیم")

عمدہ طباعت، صفحات ۲۷، قیمت ۔/۷

(۲)

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 2

تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر

صفحات ۴۸، عمدہ طباعت، قیمت ۔/۶

(۳)

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 3

تعارفِ تنظیمِ اسلامی

صفحات ۸۸، قیمت ۔/۷، عمدہ طباعت

ملنے کے پتے

- مرکزی دفتر تنظیم اسلامی، ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو- لاہور
- دفتر تنظیم اسلامی لاہور شہر، ۴-اے، مزنگ روڈ، نزد فیملی ہسپتال
- قرآن اکیڈمی، ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

عظمتِ قرآن

بزبانِ قرآن وصاحبِ قرآنؐ

"عظمتِ قرآن" امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خصوصی دلچسپی کے موضوعات میں سے ہے۔ اس موضوع پر وہ ایک سے زائد بار مفصل اظہار خیال فرما چکے ہیں۔ جدہ میں مقیم ہمارے ایک ساتھی اور بزرگ محترم عبدالرشید رحمانی کو ایک موقع پر امیر تنظیم کا اس موضوع پر خطاب سننے کا موقع ملا تو وہ اس درجے ان کے دل کو بھایا کہ فوراً ٹیپ کی ریل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کرکے ہمیں بھجوا دیا۔ رحمانی صاحب کے ارسال کردہ اوراق کی نوک پلک سنوارنے کا فریضہ حافظ خالد محمود خضر نے انجام دیا ہے۔ (ادارہ)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

امابعد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ ۝

وقال تبارک وتعالیٰ:

فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ۝ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍ ۝

بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ ۝ کِرَامٍ بَرَرَۃٍ ۝

صدق اللہ العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شُرُوْرِ نَفْسِیْ

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ ــــــ آمین یارب العالمین۔

حضرات! میری آج کی یہ گفتگو دو حصوں پر مشتمل ہوگی۔ پہلے حصے میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ تعلیم و تعلّم قرآن یعنی قرآن حکیم کے پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کی کیا اہمیت ہے۔ اور دوسرے حصے میں مجھے اپنے موجودہ حالات کے حوالے سے رُجوع الی القرآن یعنی قرآن حکیم کی طرف از سرِنو راغب ہونے کی اہمیت کو بیان کرنا ہے۔ پہلے مضمون کے ضمن میں میں نے اس وقت سورۃ الرحمٰن اور سورۃ عبس کی چار چار آیات کی تلاوت کی ہے۔ ان کے حوالہ سے میں چاہوں گا کہ قرآن مجید کی جو عظمت ہمارے سامنے آتی ہے اس پر ہم غور کریں۔ اور اسی ضمن میں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث بھی آپ کو سنانا چاہتا ہوں تاکہ عظمتِ قرآن کا بیان جہاں ہم خود اللہ تعالیٰ سے سمجھیں وہاں نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے بھی یہ بات ہمارے سامنے آئے کہ اس کلام کی کیا عظمت ہے۔ فارسی کا ایک مصرعہ ہے ع "قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری" یعنی موتی اور ہیرے کی قدر و قیمت کو جاننے والا یا تو بادشاہ ہوتا ہے اور یا جوہری! ایک عام دیہاتی کے ہاتھ پر اگر آپ ایک ہیرا یا قیمتی موتی رکھ دیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اسے کانچ کا ایک ٹکڑا سمجھے۔ تو اسی طریقے پر قرآن مجید کی عظمت سے اصلاً تو وہ ہستی واقف ہے جس کا یہ کلام ہے اور پھر دوسرے نمبر پر اس کی عظمت سے صحیح معنوں میں واقف وہ ہستی ہے کہ جس پر یہ قرآن نازل ہوا یعنی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی چار آیات بڑی مختصر ہیں۔ پہلی آیت صرف ایک لفظ پر مشتمل ہے: اَلرَّحۡمٰنُ ○ اس کے بعد کی تین آیات دو دو الفاظ پر مشتمل ہیں: عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ○ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ○ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ○ لیکن اگر ہم ان الفاظ پر تدبّر کریں، غور و فکر کریں، سوچ و بچار سے کام لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان مختصر ترین الفاظ میں جو مضامین پنہاں ہیں ان مضامین کا بیان کرنا کسی ایک تقریر میں ممکن ہی نہیں۔ ہر اعتبار سے ایک چوٹی کا مضمون ہے جو ہر آیت میں آیا ہے۔

پہلی آیت جیسا کہ میں نے عرض کیا صرف ایک لفظ "اَلرَّحۡمٰنُ" پر مشتمل ہے۔ الرحمٰن اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید میں اللہ کے بہت سے نام وارد ہوئے ہیں اور حدیث شریف میں بھی ان کا ذکر ہے۔ ویسے تو قرآن

مجید سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ "فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى" یعنی جتنے بھی اچھے نام ہیں سب اللہ کے ہیں۔ جتنی اچھی صفات کا ہم تصور کر سکتے ہیں وہ تمام صفات ذات باری تعالیٰ میں بتمام و کمال موجود ہیں۔ جس اچھائی، جس خوبی، جس خیر اور جس کمال کا ہمارے ذہن میں خیال آسکتا ہے وہ اللہ پاک کی ذات میں موجود ہے۔ لیکن تعین کے ساتھ اللہ پاک کے نام وہی ہیں جو قرآن مجید میں یا حدیث شریف میں وارد ہوئے ہیں۔ ان ناموں میں سب سے زیادہ محبوب نام "اللہ" ہے اور اس سے قریب ترین نام "رحمٰن" ہے۔ چنانچہ تلاوتِ قرآن مجید کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے کیا جاتا ہے۔ پھر سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت کے الفاظ بھی یہ ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اور دوسری آیت ہے: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

واقعہ یہ ہے کہ لفظ "اللہ" تو عرب میں بہت معروف تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی اہل عرب "اللہ" کے نام سے بخوبی واقف تھے۔ وہ اللہ سے دعائیں کرتے تھے اور اپنے تمام شرک کے باوجود اس حقیقت کو مانتے تھے کہ اس کائنات کے تخلیق کرنے میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس پوری کائنات کا خالق تنہا وہی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے: **وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔** (لقمان: ۲۵) کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ان سے سوال کریں کہ یہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کئے تو وہ لازماً کہیں گے کہ اللہ نے! لیکن اللہ تعالیٰ کے دوسرے ناموں میں سب سے زیادہ نمایاں اور ایک خاص پہلو سے سب سے زیادہ پیارا نام جو ہے وہ "رحمٰن" ہے۔ قرآن مجید میں جب یہ نام بار بار آیا تو اہل عرب نے اعتراض کیا کہ یہ "رحمٰن" کون ہے؟ سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں فرمایا گیا: "**قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى**" کہ اے نبیؐ! ان سے کہئے: چاہے اللہ کہہ کر پکار لو، چاہے رحمٰن کہہ کر پکار لو، پس یہ جان لو کہ جس کو پکار رہے ہو تمام اچھے نام اسی کے ہیں! تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے "اللہ" کے قریب ترین جو نام آتا ہے، وہ "رحمٰن" ہے۔

لیکن میں نے جو عرض کیا کہ ایک دوسرے پہلو سے یہ سب سے زیادہ پیارا نام ہے تو اس بات کو بھی سمجھ لیجئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ صفاتی نام اس کی صفتِ رحمت

سے بنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت وہ صفت ہے جس کے ہم سب سے زیادہ محتاج ہیں۔ اور ہمارا معاملہ تو بہت دُور کی بات ہے، خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ضرورت مند ہیں۔ ایک بار آپؐ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی محض اپنے عمل کی بنا پر جنت میں داخل نہ ہو سکے گا"۔ اس پر کسی صحابیؓ نے ہمت کر کے یہ سوال کر لیا کہ: "حضورؐ کیا آپ بھی نہیں؟" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں، میں بھی نہیں۔ مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنے خصوصی فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے!" (متفق علیہ۔ عن ابی ہریرۃؓ) اب آپ اندازہ کیجئے کہ اگر اللہ کے نبیوں اور پیغمبروں کو اور سید المرسلین سید الاولین والآخرین محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمتِ خداوندی کی احتیاج ہے تو ہم اس سے کس طرح مستغنی ہو سکتے ہیں؟ ہم سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کی شدید احتیاج رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر آتا ہے: **"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ"** (فاطر: ۱۵) کہ اے لوگو! تم سب کے سب اللہ کی ذات کے فقیر ہو، محتاج ہو! غنی اور حمید ذات تو صرف اسی کی ہے!!۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جب مصر سے جان بچا کر نکلے اور پا پیادہ پورا صحرائے سینا عبور کر کے تنِ تنہا مدین پہنچے تو آبادی کے باہر کنوئیں پر بیٹھ گئے۔ آپؑ اس وقت انتہائی کسمپرسی کے عالم میں تھے، وہاں آپؑ کی کوئی جان پہچان تک نہ تھی۔ اس حال میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی زبان مبارک پر جو دعا آئی وہ قرآن حکیم میں بایں الفاظ منقول ہے: **"رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ"** (پروردگار میں ہر اس خیر کا محتاج ہوں جو تو میری جھولی میں ڈال دے) اور واقعہ یہ ہے کہ مخلوق کا معاملہ اللہ کے سامنے اسی فقر اور احتیاج کا ہے، اور ہم رحمتِ خداوندی کے ہر آن محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اس صفتِ رحمت سے اس کے دو نام بنے ہیں: رحمٰن اور رحیم! اور یہ واحد صفت ہے جس سے اللہ کے دو نام آتے ہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ان میں رحمت کی دو شانوں کا ظہور ہو رہا ہے۔ "رحیم" فعیل کے وزن پر صفتِ مشبّہ ہے جو اس کیفیت کو ظاہر کر رہا ہے جو اس دریا کی مانند ہے جو مسلسل بہہ رہا ہو ـــــ جس میں سکون، دوام اور پائیداری ہو اور "رحمٰن" رحمت خداوندی کی اس شان کو ظاہر کرتا ہے جو ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی مانند ہے، جس میں ایک ہیجان کی کیفیت ہے۔

فَعلان کے وزن پر عربی زبان کے جو الفاظ بھی آتے ہیں ان میں یہ شدّت پائی جاتی ہے۔ ایک ہیجانی اور طوفانی کیفیت ان کا خاصہ ہے۔ عرب کہے گا: "اَنَا عَطْشَانُ" کہ میں بہت پیاسا ہوں۔ یعنی پیاس سے جان نکل رہی ہے۔ بھوک سے کوئی شخص مر رہا ہے تو وہ کہے گا: "اَنَا جَوْعَانُ" اسی طرح "غَضْبَانُ" کے معانی ہیں بہت زیادہ غضبناک۔ تو اسی طریقہ سے یہ لفظ "رحمٰن" بنا ہے یعنی انتہائی رحم فرمانے والا' جس کی رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت گویا کہ انتہائی پیاری اور محبوب صفت ہے' اور اس میں بھی شان رحمانیت ایک عجیب کیفیت کی حامل ہے۔

اسی شانِ رحمانیت کے حوالے سے فرمایا گیا:

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ○

"اس رحمٰن نے تعلیم دی ہے قرآن کی!"

قرآن کی عظمت کو اس سے سمجھو کہ اس کا تعلق اللہ کی صفتِ رحمانیت سے ہے۔ اگر فرمایا جاتا: "اَللّٰہُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ"۔ تو بھی بات مکمل ہو جاتی' لیکن قرآن کا ذکر اللہ پاک کی صفتِ رحمانیت کے حوالے سے ہو رہا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ : جس کی رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہے' اس نے قرآن سکھایا۔ یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اللہ نے صرف قرآن نہیں سکھایا' اس نے تو انسان کو بہت کچھ سکھایا ہے۔ انسان کے پاس جو بھی علم ہے' وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ سورۃ البقرہ کی ابتداء میں حضرت آدمؑ کا جو قصہ بیان ہوا ہے' اس میں فرمایا گیا: **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا** اور اس موقع پر فرشتوں کا جواب یہ تھا: "**سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا**" (تو پاک ہے' ہمیں کوئی علم حاصل نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں عطا کیا)۔ تو جنّ و انس ہوں' ملائکہ ہوں' انبیاء و رسل ہوں' اولیاء اللہ ہوں' یا بڑے سے بڑا سائنسدان اور بڑے سے بڑا فلسفی ہو' جس کے پاس بھی علم کی کچھ رمق موجود ہے' وہ آخر کہاں سے آتی ہے؟ آیۃ الکرسی میں فرمایا گیا: "**وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ**" کہ مخلوق میں سے کوئی اس کے علم میں سے کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتا' سوائے اتنے حصے کو جتنا وہ خود کسی کو دینا چاہے۔ بلکہ ایک نومولود بچہ جو دنیا میں آتا ہے' اسے یہ علم ہوتا ہے کہ اس کا رزق کہاں ہے' اس کی روزی کہاں ہے۔ وہ ماں کی چھاتی پر جس طرح منہ مارتا ہے' اس کی تربیت اسے کس نے

دی ہے؟ یہ شعور وہ کہاں سے لے کر آیا ہے؟ وہ کون سی تربیت گاہ تھی جہاں سے وہ یہ ٹریننگ لے کر آیا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ علم خواہ جبلّی ہو' خواہ فطری ہو' خواہ وہ ہمارے نفس میں ودیعت شدہ ہو اور خواہ وہ ہم تعلیم کے نظام کے ذریعے سے حاصل کرتے ہوں' اس کا منبع اور سرچشمہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اور ہمیں سبھی کچھ اسی نے سکھایا ہے۔ لیکن اس نے جو کچھ سکھایا ہے' اس میں چوٹی کی چیز قرآن ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے بہت بلند صفت ہے رحمت ـــــ اور اس رحمت کی بہت بلند شان ہے جو لفظ "رحمٰن" میں ظاہر ہوتی ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو کچھ سکھایا ہے' اس میں سب سے چوٹی کی چیز جس کی تعلیم دی' وہ قرآن حکیم ہے: اَلرَّحۡمٰنُ ۝ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ۝

اب تیسری آیت پر آیئے۔ فرمایا:

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۝ "انسان کی تخلیق فرمائی"۔

یہاں پھر وہی بات سامنے آتی ہے۔ اللہ نے صرف انسان کی تخلیق نہیں فرمائی' جنّوں کو بھی اسی نے تخلیق فرمایا' ملائکہ کی تخلیق بھی اسی نے فرمائی' یہ شجر و حجر جو ہیں' یہ بھی اسی کے تخلیق کردہ ہیں' یہ چاند اور سورج بھی تو اسی نے پیدا کئے۔ لیکن یہاں امتیازی طور پر انسان کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا نقطۂ عروج (CLIMAX) ہے۔ آج ہمارے سائنسی اور مادی علوم کا نتیجہ اور ماحصل بھی یہی ہے کہ مخلوقات میں سب سے پہلے جمادات تھے' جمادات کے بعد نباتات اور نباتات کے بعد حیوانات آئے۔ پھر جمادات کے مقابلہ میں نباتات ایک اعلیٰ خلقت کی حامل ہیں۔ نباتات کے اوپر حیوانات کا سلسلہ ہے' اور وہ ایک مزید اعلیٰ درجہ کی تخلیق ہے۔ حیوانات میں اگر ارتقاء (EVOLUTION) کے نظریے کو تسلیم کیا جائے تو انسان کا مقام شجرِ ارتقاء (EVOLUTION TREE) کی چوٹی پر ہے۔ گویا کہ یہ سلسلۂ تخلیق کا نقطۂ عروج ہے۔ اور قرآن سے بھی اس کی گواہی ملتی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۷۰) میں فرمایا:

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا ۝

"اور ہم نے بنی آدم کو عزت اور اکرام عطا فرمایا ہے' اور ان کو بحر و بر میں

سواریاں دیں' اور پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا فرمایا' اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا کیں' ان میں سے اکثر پر انہیں فضیلت عطا فرمائی"۔

سورۂ صٓ میں فرمایا:

"خَلَقْتُهُ بِيَدَيَّ" (میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا)

تورات میں بھی اس طرح کے الفاظ آتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔ یہ الفاظ اگرچہ قرآن میں نہیں ہیں' لیکن حدیث صحیح میں موجود ہیں:

"خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ" (متفق علیہ: عن ابی ہریرہؓ)

(اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا)

اس کے لئے اب مزید دلائل کی ضرورت نہیں۔ سورۃ الرحمٰن کی پہلی تین آیات سے ہم نے تین باتیں سمجھی ہیں: (i) صفاتِ باری تعالیٰ میں سے چوٹی کی صفت ——— رحمٰن۔ (ii) اللہ نے انسان کو جو علم عطا فرمایا' اس میں چوٹی کا علم ——— قرآن۔ (iii) جو کچھ اس نے پیدا فرمایا اس میں چوٹی کی تخلیق ——— انسان۔

اب چوتھی آیت آتی ہے:

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○

"انسان کو ہم نے بیان کی تعلیم عطا فرمائی!"

اب ذرا غور کیجئے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان میں سے قوتِ بیان کا حوالہ کس اعتبار سے دیا گیا ہے؟ واقعہ یہ ہے ہم میں جو بھی جسمانی صلاحیتیں ہیں' وہ اکثر و بیشتر دیگر حیوانات میں بھی ہیں۔ ہم کھانا کھاتے ہیں' اور جو کچھ کھاتے ہیں اسے ہضم کرتے ہیں۔ یہ نظامِ ہضم حیوانات میں بھی ہے۔ ہم میں اگر جنس کا مادہ رکھا گیا ہے اور توالد و تناسل کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے تو یہ حیوانات میں بھی ہے۔ ہمیں اگر بینائی عطا کی گئی ہے تو آپ کو پرندوں میں ایسے پرندے بھی مل جائیں گے جن کی بینائی ہم سے ہزاروں گنا زیادہ ہے۔ مثلاً بلندی پر پرواز کرتا ہوا عقاب زمین پر پڑی ہوئی سوئی تک دیکھ لیتا ہے۔ اب ایسے آلے بھی ایجاد کر لئے گئے ہیں جن کی بینائی ہماری بینائی سے کہیں زیادہ ہے۔ کتنے ہی حیوانات ہیں جن کی قوتِ شامہ یعنی سونگھنے کی قوت ہم سے کہیں بڑھ کر ہے۔ تو یہ استعدادات جو ہمارے اندر ہیں' حیوانات میں بھی ہیں۔ البتہ

ایک صفت وہ ہے جس کے اعتبار سے اہلِ فلسفہ اور اہلِ منطق نے انسان کو دیگر حیوانات سے ممیز قرار دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان حیوانِ ناطق ہے۔ اس کو نطق و گویائی کی صفت عطا کی گئی ہے۔ اسے اظہار مافی الضمیر کے لئے زبان دی گئی ہے۔ وہ زبان جو اس کے باہمی تبادلۂ خیالات کا ذریعہ بنتی ہے۔ انسانی دماغ کی ساخت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام حیوانات کے مقابلے میں انسانی دماغ اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس میں سب سے بڑا حصہ مرکزِ تکلم (Speech Centre) ہے، جو تمام حیوانات کی نسبت سب سے زیادہ ترقی یافتہ (DEVELOPED) ہے۔ چنانچہ یہاں انسان کی سب سے امتیازی صلاحیت کا حوالہ دیا گیا کہ ہم نے اسے قوت بیانیہ عطا کی۔

اب ان چار آیات کا ماحصل ایک بار پھر اپنے سامنے رکھئے:

اَلرَّحْمٰنُ: صفاتِ باری تعالیٰ میں سے چوٹی کی صفت۔

عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ: رحمٰن کی طرف سے سب سے بڑی دولت اور نعمت جو انسان کو عطا کی گئی وہ یہ ہے کہ اسے قرآن سکھایا گیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ: اللہ نے انسان کو پیدا کیا جو اس کی تخلیق کا نقطۂ کمال ہے۔

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ: انسان کو اس نے جو صلاحیتیں دی ہیں ان میں سب سے اونچی صلاحیت اس کے بیان کی قوت ہے۔

یہ چار آیات تین جملوں پر مشتمل ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہوگا:

(i) رحمٰن نے قرآن سکھایا۔

(ii) اس نے انسان کو تخلیق فرمایا۔

(iii) اسے قوتِ بیان عطا فرمائی۔

اب ذرا غور کیجئے کہ ان تین باتوں سے نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ ریاضی میں نسبت و تناسب کے قاعدے سے تین معلوم اقدار کی مدد سے چوتھی قدر کا تعین کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی ہمیں چوتھی قدر کا تعین کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہوگی کہ انسان کو جو قوت گویائی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، اس کا بہترین مصرف اگر کوئی ہے تو وہ قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا اور اس کا سیکھنا سکھانا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو قوتِ بیانیہ دی ہے، یہ انسان کے اوصاف میں سے اعلیٰ ترین وصف ہے۔ اور اس کا بہترین مصرف یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعے

اللہ کے کلام کو بیان کیا جائے' اللہ کے پیغامِ ہدایت کو عام کیا جائے' اللہ کے اس کلام کی تبلیغ و اشاعت کی جائے۔

سورۃ الرحمٰن کی تین آیات سے میں نے یہ جو نتیجہ نکالا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے ثابت ہے' جس کے راوی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس سے ہمیں قرآن اور حدیث کا باہمی تعلق سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ ہمارے ہاں کچھ ایسے محروم لوگ ہیں جو اپنے آپ کو حدیث سے مستغنی سمجھ بیٹھے ہیں اور اس طرح شدید گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے بس قرآن کافی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو سمجھنے اور ان سے استفادہ کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر صرف کتاب کافی ہوتی تو نبیوں اور رسولوں کی بعثت کی ضرورت نہیں تھی۔ کتاب کے ساتھ ایک معلم ضروری ہوتا ہے۔ آپ اعلیٰ سے اعلیٰ کتابیں چھاپ لیجئے' لیکن آپ کا کیا خیال ہے کہ دنیا کے اندر کوئی نظامِ تعلیم بغیر معلمین کے بنایا جا سکتا ہے؟۔ اکبر الہ آبادی کا بڑا پیارا شعر ہے کہ ۔

کورس تو لفظ ہی پڑھاتے ہیں آدمی آدمی بناتے ہیں

کورس پڑھنے سے تو انسان انسان نہیں بنتا۔ انسان تو انسان کے بنانے سے بنتا ہے۔ تعلیم کے لئے معلّم کی ضرورت ناگزیر ہے۔ تو یہ جان لیجئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلّم بن کر آئے۔ حضور ؐ نے خود فرمایا: "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" (لوگو! میں تو معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ کار کے ضمن میں آپ کو چار جگہ یہ الفاظ ملیں گے:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

"وہ انہیں اللہ کی آیات تلاوت کر کے سناتا ہے' اور ان کا تزکیہ کرتا ہے' اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

تو اللہ کی کتاب' اللہ کے کلام کے معلّم ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان چار آیات کی جو میں نے اس قدر تفصیل بیان کی ہے' اور ایک ایک لفظ پر اتنا وقت صَرف کرنے کے بعد آپ کو جس نتیجہ پر پہنچایا ہے' جس کے لئے میں نے نسبت و تناسب کے قاعدے کا حوالہ بھی دیا ہے' وہ نتیجہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک سادہ سے جملہ میں بیان فرما دیا ہے۔ اس کے راوی حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور چونکہ میں اسے ان آیات کے ساتھ جوڑ رہا ہوں جن میں چوٹی کے مضامین بیان ہوئے ہیں تو یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث بھی چوٹی کا مقام رکھتی ہے۔ یہ حدیث امام بخاری، امام ترمذی اور امام ابو داؤد (رحمہم اللہ) نے روایت کی ہے۔ صحیح بخاری کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ کتبِ حدیث میں یہ چوٹی کی حیثیت کی حامل ہے۔ اس کے بارے میں **"اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتٰبِ اللّٰہِ"** ہونے پر علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ یعنی قرآن حکیم کے بعد یہ دنیا کی صحیح ترین کتاب ہے۔ صحیح بخاری کے علاوہ یہ حدیث جامع ترمذی اور سُنن ابی داؤد میں بھی موجود ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

"تم میں سے بہترین وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور اسے (دوسروں کو) سکھایا"۔

یعنی اہلِ ایمان میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں، قرآن پڑھیں اور پڑھائیں۔ اور دیکھئے یہاں "خَیْرُکُمْ" کن سے کہا جا رہا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے! ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرامؓ میں بھی فرقِ مراتب ہے۔ ان میں درجات ہیں۔ ع گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی۔ ہم اہلِ سنّت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ: **اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ بِالتَّحْقِیْقِ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ** یعنی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ انبیاء کے بعد افضل البشر ہیں۔ آپؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا مقام ہے، پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ ہیں۔ خلفائے اربعہ کے بعد پھر عشرۂ مبشّرہ ہیں۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم اجمعین۔ تو ظاہر ہے کہ ع ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ مزاج میں بہرحال کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی طبیعت جمالی ہے، حضرت عمرؓ کی جلالی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے اندر رحمت و شفقت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ دین کے معاملات میں بہت شدید ہیں۔ حضرت عثمانؓ میں سچائی اور حیاء کا مادہ بدرجۂ اتم ہے۔ حضرت علیؓ مقدمات کے فیصلے کرنے میں بہت زِیرک ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُوبَكْرٍ، وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ، وَأَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ ...... الخ (رواه الترمذی، عن انس بن مالک)

تو ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بھی نسبتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے ہیں:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے (دوسروں کو) سکھائے!"

اس حوالے سے میں خاص طور پر نوجوانوں کے لئے عرض کروں گا کہ ان کے دلوں میں قرآن کو سیکھنے سکھانے کی آرزو اور امنگ پیدا ہونی چاہئے۔ جوانی کا دَور آرزوؤں اور امنگوں کا دور ہوتا ہے لیکن عام طور پر ہم جن آرزوؤں کے پیچھے دوڑتے ہیں ان کا تعلق اسی دُنیوی زندگی سے ہوتا ہے۔ عمدہ کیریئر، اچھا مکان اور دنیوی آسائشوں کے حصول کی آرزوئیں تو ہر ایک کے دل میں پیدا ہوتی ہیں ـــــ لیکن آپ کے دل میں وہ آرزو پیدا ہونی چاہئے جس کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ ؎

آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
اور ہو جائے تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام!

وہ کون سی آرزو ہے؟ وہ آرزو ہے ان چیزوں کی آرزو کہ جن سے اس مادہ پرستی کے دور میں ہماری نگاہیں بالکل ہٹ گئی ہیں۔ کاش کہ یہ آرزو پیدا ہو جائے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چل سکیں۔ کاش نوجوانوں کے دلوں میں وہ آرزو پیدا ہو کہ اللہ ہمیں جناب ارقمؓ یا مصعب بن عمیرؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے دے۔ یہ دو نام میں نے آپ کو اس لئے سنائے ہیں کہ یہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سیکھتے تھے اور پھر جا کر دوسروں کو سکھاتے تھے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مکہ میں حالات بڑے دگرگوں اور ناساعد تھے۔ کفر و شرک کا غلبہ تھا۔ کوئی مسجد تو ایسی نہ تھی جہاں حضورؐ تشریف فرما ہوں اور صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیں۔ ایسا تو ممکن ہی نہ تھا۔ ایک حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیتے اور ظاہر بات ہے کہ سب لوگ وہاں جمع نہیں ہو سکتے تھے۔ لوگوں کی اپنی مصروفیات بھی ہوتیں۔ پھر یہ کہ اگر محسوس ہو جاتا کہ یہاں مرکز بن گیا ہے تو مخالفت شدید ہو

جاتی۔ ان حالات میں تعلیم کا طریق کار یہ تھا کہ کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کر دیا تھا کہ وہ حضورؐ کی صحبت میں رہتے تھے۔ جیسے ہی وحی نازل ہوتی' وہ اسے سیکھ لیتے اور پھر اہلِ ایمان ان کے گھروں پر جا کر اس وحی کو پہنچاتے تھے۔ اس طریقے سے قرآن کے علم کی تبلیغ جاری تھی۔

انہی نوجوانوں میں سے ایک صحابی حضرت خباب بن ارتؓ تھے۔ یہ وہ صحابیؓ ہیں کہ جن کو دہکتے ہوئے انگاروں پر ننگی پیٹھ لٹایا گیا اور ان کی کمر کی چربی پگھلنے سے وہ انگارے ٹھنڈے ہوئے۔ ایمان لانے کے بعد انہیں ایسی ایسی سختیاں جھیلنی پڑی ہیں' لیکن وہ اس سب کے باوجود اس کام میں ثابت قدمی سے لگے رہے کہ اللہ کا جو کلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا' وہ آپؐ سے سیکھتے اور لوگوں تک پہنچاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا جو واقعہ آتا ہے اس میں بھی حضرت خباب بن ارت کا کردار بہت اہم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے ننگی تلوار لے کر بڑی جلالی کیفیت میں نکلے تھے۔ راستے میں انہیں حضرت حذیفہؓ مل گئے جو اگرچہ ایمان لا چکے تھے' لیکن انہوں نے اپنا ایمان ابھی چھپایا ہوا تھا۔ انہوں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ کہا: میں آج محمدؐ کو قتل کر کے چھوڑوں گا' اب یہ قصہ چکا دینا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)۔ حضرت حذیفہؓ نے بڑی حکمت سے رُخ موڑ دیا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جا رہے ہو' پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو' تمہاری ہمشیرہ اور تمہارے بہنوئی دونوں ایمان لا چکے ہیں! اب آپ تصور نہیں کر سکتے کہ اُس وقت عمرؓ کے غیظ و غضب کا کیا عالم ہو گا۔ وہ غصے میں آگ بگولہ اپنی ہمشیرہ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تو وہاں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ' آپ کی ہمشیرہ اور آپ کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو سورۂ طٰہٰ کی آیات سکھا رہے تھے۔ کاش ہمارے دل میں بھی یہی جذبہ پیدا ہو جائے۔

دوسرا نام میں نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا لیا ہے۔ ان کا ذکر شاید ہمارے دلوں کے اندر کوئی آرزو پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ یہ بڑے لاڈ اور پیار سے پلے تھے۔ ان کے لئے دو دو سو درہم کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا۔ آپ نے سنا ہو گا کہ جوانی کے عالم میں پنڈت جواہر لال نہرو کے کپڑے پیرس سے سل کر آیا کرتے تھے۔

ہندوستان میں پہلی کار جو غیر سرکاری طور پر آئی تھی وہ ان کے والد پنڈت موتی لال نہرو کی تھی۔ اپنی پوتی اندرا گاندھی کی پیدائش پر پنڈت موتی لال نہرو نے پورے الہ اباد کے لوگوں کی دعوت کی تھی۔ تو جس طرح یہ بات مشہور تھی کہ جواہر لال نہرو کے کپڑے پیرس سے سِل کر آتے ہیں اور پیرس سے دُھل کر آتے ہیں' اس طرح کا معاملہ تھا حضرت مصعب بن عمیرؓ کا۔ ان کے جوڑے شام سے تیار ہو کر آتے تھے اور لباس اس قدر معطر ہوتا تھا کہ جس راستے سے مصعبؓ گزر جاتے' پورا راستہ معطر ہو جاتا۔ لیکن وہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تو ان کے گھر والوں نے ان کے بدن سے سارے کپڑے تک اتار لئے اور انہیں بالکل برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا کہ اگر تم نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے تو باپ کی کمائی میں سے جو کپڑے ہیں' ان پر بھی تمہارا حق نہیں ہے۔ اس کے بعد دو دو سو درہم کا جوڑا پہننے والے اس نوجوان پر وہ وقت بھی آیا کہ پھٹا ہوا ایک کمبل جسم پر ہے' اور اس میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔ ایمان لانے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو تعلیم و تعلّمِ قرآن کے لئے وقف کر دیا۔

انسان کا رُخ جب بدلتا ہے تو اس کی آرزوئیں اور امنگیں بھی بدل جاتی ہیں۔ پہلے وہ اس معاملہ میں آگے تھے اب اس معاملہ میں آگے ہیں۔ اسی کام میں اپنی صلاحیتیں لگا رہے ہیں۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ کے موقع پر ایمان لانے والے مدینہ کے بارہ افراد نے آنحضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمیں اپنے کوئی ایسے ساتھی دے دیجئے جو ہمیں قرآن پڑھائیں۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مامور کیا کہ تم مدینہ جا کر وہاں کے لوگوں کو قرآن پڑھاؤ۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے وہاں سال بھر قرآن کی تعلیم و تدریس کا کام کیا۔ اور اس عظیم کام کی مناسبت سے وہاں آپ کا نام ہی "مُقرِی" (پڑھانے والا) پڑ گیا۔ لوگ آپ کو دیکھتے تو پکار اٹھتے: "جَاءَ الْمُقْرِی" (وہ پڑھانے والے آ گئے) حضرت مصعب بن عمیرؓ کی سال بھر کی محنت و کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے سال مدینہ سے ۷۵ اشخاص آئے اور انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ گویا مصعبؓ کی ایک سال کی کمائی تھی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا ہے تو میں ان کے بارے میں کچھ مزید عرض کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف

قرآن اکیڈمی سرایئ

لے آئے تو ایک روز آپ' مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور مصعبؓ دروازے کے سامنے سے گزرے۔ اس وقت ان کے جسم پر ایک پھٹا ہوا کمبل تھا کہ جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہ یہ مصعبؓ اللہ کے دین کے لئے کہاں سے کہاں پہنچا! غزوہ احد میں جب یہ شہید ہوئے تو اس وقت ان کے جسم پر بس ایک چادر تھی۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ شہید کا کفن وہی لباس ہوتا ہے جس میں اسے شہادت ملے۔ اب تدفین کے وقت یہ مسئلہ پیدا ہوگیا کہ مصعبؓ کے جسم پر جو چادر تھی' وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر اس سے ان کا سر ڈھانپتے تھے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر کھل جاتا۔ یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا تو آپ' نے فرمایا کہ ان کا سر چادر سے ڈھانپ دو اور ان کے پاؤں پر گھاس ڈال دو۔ یہ ہے آخری لباس جو مصعب بن عمیرؓ کو ملا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شکل و صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی مشابہت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ اُحد میں جب آپ نے جامِ شہادت نوش کیا تو مشہور ہوگیا کہ حضور' شہید ہوگئے۔ غزوۂ اُحد میں یہ اسلامی فوج کے علم بردار تھے۔ مسلمانوں کا عَلَم انہی کے ہاتھ میں تھا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس طرح کے واقعات قلب پر گہرا تأثر چھوڑتے ہیں۔ جو بھی مسلمان ہے اگر اس کے سامنے حضرت خبابؓ کی تصویر آئے یا مصعب بن عمیرؓ کی تصویر سامنے آئے تو کیسے ممکن ہے کہ دل پر اثر نہ ہو! لیکن جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ یہاں ان صاحبِ عزیمت ہستیوں کا ذکر کس حوالے سے ہو رہا ہے! کاش اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی یہ آرزو پیدا فرما دے کہ جس طرح انہوں نے اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دیا کہ وہ کلامِ الٰہی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس کو عام کریں' اس کو پھیلائیں' اسے دوسروں تک پہنچائیں' اسی طرح اسی کے لئے زندگیاں وقف کرنے کی کوئی امنگ' کوئی آرزو ہمارے دلوں میں بھی پیدا ہو جائے۔

سورۂ عبس کی چار آیات' جن کی آغاز میں تلاوت کی گئی' وہ بھی اسی مضمون کی شرح پر مشتمل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ۝ مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍۭ ۝ بِاَیۡدِیۡ سَفَرَۃٍ ۝ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ ۝

ذرا غور کیجئے کہ ان الفاظ میں کس قدر شکوہ ہے۔ کاش کہ قرآن کریم سے ہماری یہ مناسبت بھی پیدا ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کا جو صوتی آہنگ ہے اور اس میں جو ایک ملکوتی غنا اور موسیقی مضمر ہے' اس کی کوئی دوسری نظیر ممکن نہیں۔ ایک موسیقی وہ ہے جس کے ہم عادی ہوگئے ہیں اور ایک یہ ملکوتی موسیقی ہے جو اس قرآن مجید کے صوتی آہنگ میں ہے۔ آپ کو بہت سے ایسے لوگ ملے ہوں گے جنہیں موسیقی سے ہی کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ کوئی اچھے سے اچھا راگ بھی ہو تو انہیں پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اسی طریقہ سے ہمارا حال یہ ہے کہ ہم قرآن حکیم کی ملکوتی موسیقی سے بے بہرہ ہیں۔ اس کائنات میں بہترین موسیقی یہ اللہ کا کلام ہے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے لئے اس میں کوئی کشش اور دلچسپی نہیں۔ اس پہلو سے قرآن کے ساتھ ہماری ذہنی و قلبی مناسبت پیدا ہونی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا ہے کہ:

زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ

"اس قرآن کو اپنی آوازوں سے مزیّن کیا کرو!"

(اس حدیث کے راوی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ سُنن ابی داؤد اور سُنن نسائی میں وارد ہوئی ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت اچھی آواز عطا کی تھی۔ اور ان کی قراءت کو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے شوق سے سنتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ان کے گھر کے پاس سے گزرے' اس وقت حضرت ابو موسیٰؓ اپنی خاص کیفیت کے ساتھ قرآن پڑھ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دیر تک وہاں کھڑے ہو کر قرآن سنتے رہے اور فجر میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے فرمایا: "**يَا اَبَا مُوْسٰى! لَقَدْ اُوْتِيْتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيْرِ اٰلِ دَاوٗدَ**" کہ اے ابو موسیٰ! تجھے تو اللہ تعالیٰ نے آلِ داؤد کے سازوں میں سے ایک ساز عطا کیا ہے!۔ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام جب صبح کے وقت زبور کے حمد کے ترانے پڑھا کرتے تھے تو قرآن میں گواہی موجود ہے کہ پرندے بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور پہاڑ بھی وجد میں آ جاتے تھے۔ قرآن حکیم کے الفاظ میں جو پُرشکوہ صوتی آہنگ اور ملکوتی غناء ہے وہ ان چار آیات میں نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے:

فِی صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ○ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ○ بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ ○ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ○

قرآن مجید کی عظمت خود قرآن میں جابجا بیان ہوئی ہے' لیکن آج کی اس نشست میں ہم نے اس کے لئے سورۂ رحمٰن اور سورۂ عبس کی چار چار آیات کا انتخاب کیا ہے۔ یہاں سورۂ عبس میں اس قرآن مجید کے بارے میں فرمایا گیا:

فِی صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ○

"یہ کتاب بڑے باعزت صحیفوں میں ہے"۔

یہ لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ یہاں دنیا میں تو اس کا ایک عکس ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اصل کتاب تو لکھی ہوئی ہے لوحِ محفوظ میں:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ○ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ○

ایک دوسری جگہ فرمایا:

فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ○ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○

کہ یہ کتاب تو "مکنون" ہے جیسے کسی بہت ہی قیمتی ہیرے کو ڈبیہ میں بند کر کے ڈبیہ کو کسی بکس میں رکھا جاتا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اسے صرف وہی چھوتے ہیں جو انتہائی پاک و طیب ہیں' یعنی فرشتے۔ اس وقت ان سب آیات کی تشریح ممکن نہیں ہے۔ میں صرف سورۂ عبس کی آیات کا ترجمہ کر رہا ہوں۔ ان باعزت صحیفوں کے بارے میں فرمایا:

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ○

"بہت ہی رفیع الشان اور بہت ہی پاک کئے ہوئے (صحیفے ہیں)"۔

اور کن کے ہاتھوں میں ہیں؟

بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ ○ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ○

"ان لکھنے والوں کے ہاتھوں میں' جو بڑے بلند مرتبہ اور نیکوکار ہیں"۔

اب ان آیات سے متعلق ایک حدیث سن لیجئے۔ سورۃ الرحمٰن کی چار آیات کا خلاصہ بھی میں نے آپ کو حدیث شریف سے سنایا ہے۔ اور ان چار آیات کا خلاصہ بھی حدیث میں ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی راویہ ہیں۔ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ (بخاری' مسلم' ابو داؤد' ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن کا ماہر ہو جائے، اس کو صحیح طور پر پڑھتا ہو، اس کو سمجھتا ہو، اس کا رتبہ بھی ان فرشتوں کا سا ہے جن کے لئے سورہ عبس میں "سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ" کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی لوحِ محفوظ میں قرآن کو لکھنے والے بلند مرتبہ نیکوکار فرشتوں کا جو مقام و مرتبہ ہے، وہی رتبہ ہے ان لوگوں کا جو قرآن کے پڑھنے پڑھانے والے ہیں، سمجھنے سمجھانے والے ہیں، قرآن کی مہارت رکھتے ہیں، پڑھتے ہیں تو صحیح پڑھتے ہیں، اس کے مفہوم کو سمجھتے ہیں، اور اسی میں شب و روز لگے ہوئے ہیں۔

اب میں اپنے موضوع کے دوسرے حصے کی طرف آتا ہوں جس کا تعلق ہمارے موجودہ حالات سے ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث، جس کے الفاظ اگرچہ بہت مختصر ہیں، لیکن یہ ایک بڑی عظیم حقیقت کو بیان کر رہی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں وارد ہوئی ہے۔ اس کی رُو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ

کہ اللہ تعالیٰ اسی کتاب کی بدولت قوموں کو اٹھائے گا، ترقی دے گا، عروج بخشے گا، انہیں اس دنیا میں بلندی سے سرفراز فرمائے گا، اور اسی کتاب کو چھوڑنے کے باعث قوموں کو ذلیل و خوار کرے گا۔ یہ حدیث بڑی اہم ہے۔ میں نے جب اس حدیث پر غور کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ اس حقیقت کا تعلق بالخصوص مسلمانوں سے ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بموجب مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا مستقل ضابطہ یہ ہے کہ ان میں سے جو قوم بھی قرآن کو لے کر اٹھے گی اسے اللہ تعالیٰ دنیا میں عروج اور سربلندی عطا فرمائے گا، غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور مسلمانوں میں سے جو قوم قرآن کو ترک کر دے گی، قرآن کو چھوڑ دے گی، قرآن کی طرف پیٹھ کر لے گی، اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل و رُسوا کر دے گا۔ ہمارے موجودہ حالات میں یہ بات ہمارے لئے بڑی قابل توجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رواں صدی یعنی بیسویں صدی عیسوی ــــ یہ دنیا میں ہماری ذلت و رسوائی کی آخری حد ہے۔ ویسے تو چند سال قبل مجھے یہ گمان ہوا تھا کہ شاید ہماری ذلت و رسوائی کا دور اب ختم ہو رہا ہے اور شاید اب ہم دنیا میں عروج کی طرف گامزن ہو رہے

ہیں۔ وہ جو مولانا حالیؒ نے کہا تھا کہ ۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

تو یہ قانونِ فطرت ہے۔ جزر کے بعد مدّ آتا ہے اور مدّ کے بعد جزر۔ تو ایک خیال یہ آیا تھا کہ شاید ہمارے زوال کا دور اب ختم ہوگیا ہے اور ہمارے عروج کا دور شروع ہوگیا ہے۔ یہ دن وہ تھے جب ہمارے یہاں اسلامی سربراہی کانفرنس ہوئی تھی۔ ملتِ اسلامیہ میں بہت جوش اور ولولہ نظر آ رہا تھا۔ اس زمانے میں شاہ فیصل موجود تھے' جو مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز بن گئے تھے۔ عرب حکمرانوں کے اندر بھی اتحاد نظر آ رہا تھا اور عربوں نے اقبالؒ کے الفاظ میں ع "لڑا دے ممولے کو شہباز سے!" کے مصداق تیل کا ہتھیار استعمال کر کے امریکہ جیسی طاقت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پھر یہ کہ ترکوں اور عربوں کے درمیان جو دشمنی تھی' وہ بھی کچھ کم ہو رہی تھی۔ چنانچہ بہت سے اعتبارات سے محسوس ہوتا تھا کہ اب شاید امتِ مسلمہ کے دن پھرنے والے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ غالباً ابھی ہمارے اوپر اللہ کے عذاب کے مزید کوڑے برسنے والے ہیں۔ اب تک ہماری پیٹھ پر عذابِ الٰہی کے کئی کوڑے برس چکے ہیں۔ لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے ان سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ ۱۹۱۹ء کا بالشویک انقلاب کوئی معمولی المیہ نہ تھا' جس کے نتیجے میں روسی ترکستان کا وسیع و عریض علاقہ' تاجکستان' ازبکستان اور سمرقند و بخارا جیسے ہماری تہذیب و تمدن کے ایسے بڑے گہوارے سرخ امپریلزم کے شکنجے میں آ گئے۔ اور وہاں کے مسلمانوں کی اس طرح برین واشنگ کی گئی ہے کہ انہیں اپنا مسلمان ہونا بھی یاد نہیں رہا۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے کبھی اپنے عروج و زوال کے ادوار کی طرف نظر تک نہیں کی۔ ہم تو اپنے ماضی سے بالکل منقطع ہو کر رہ گئے ہیں۔ انگریز کے مسلّط کردہ نظامِ تعلیم نے ہمیں اپنے ماضی سے بالکل کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ عربی اور فارسی سے تعلق منقطع ہوا تو اپنے ماضی سے تعلق منقطع ہوگیا ہے۔ کس کو یہ معلوم ہے کہ ایک وقت وہ بھی تھا

جب بنو امیہ کی فوجیں پورے سپین کو اپنے قدموں تلے روندتی ہوئی عین فرانس کے قلب میں پہنچ گئی تھیں۔ اور ایک وقت وہ بھی آیا تھا کہ ترک افواج پورا مشرقی یورپ فتح کرنے کے بعد اٹلی کے دروازوں پر پہنچی ہوئی تھیں۔

ے کبھی اے نوجواں مسلم تدبّر بھی کیا تو نے!
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا!

لیکن آج ہم ذلت و رسوائی کی چکّی میں پِس رہے ہیں۔ ہر طرف سے ہمیں خطرات و خدشات نے گھیرا ہوا ہے۔ سب سے بڑا خطرہ ہمیں اپنے ہندو ہمسائے سے ہے جو قیامِ پاکستان کے وقت سے ہماری دشمنی پر کمربستہ ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ پر اندرا گاندھی نے کہا تھا کہ ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے بھی ان کے سینے میں انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ ان کے سینے کا اصل ناسُور تو سندھ ہے، جسے "بابُ الاسلام" بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یہیں پر ہندو کو مسلمان کے ہاتھوں سب سے پہلی شکست اٹھانا پڑی۔ راجہ داہر یہاں پر بہت بڑے علاقے پر حکمران تھا جسے انتہائی ذلت آمیز شکست ہوئی تھی۔ اور سندھ صرف دارالاسلام ہی نہیں، اس پورے برعظیم کے لئے باب الاسلام بنا تھا۔ بے چارے مشرقی پاکستان میں تو بہت دیر بعد کہیں اسلام پہنچا تھا۔ چنانچہ سندھ سے بدلہ لینے کی امنگیں تو ان کے دل میں اب بھی ہیں۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کے سانحے پر اندرا گاندھی نے اپنی قوم کو چند ماہ کے اندر ایک اور خوشخبری سنانے کا اعلان بھی کیا تھا۔ اور آپ کو یاد ہو گا کہ اسی زمانے میں یہاں لسانی فسادات کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ ان کی طرف سے نقشہ تیار تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بچا لیا۔ اس وقت پورے عالمِ اسلام کے جو حالات ہیں، ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ذلت و رسوائی کے یہ سائے ابھی اور گہرے ہوتے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے کوڑے جو ہماری پیٹھ پر برسے ہیں، وہ ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار نہیں کر سکے۔ جو کچھ مشرقی پاکستان میں ہوا، جیسی کچھ عربوں کو یہودیوں کے ہاتھوں شکست و ہزیمت ہوئی اور مسجد اقصیٰ ہمارے ہاتھ سے نکلی ـــــــ اس کا تو آج ہمارے بہت سے لوگوں کے ذہن میں خیال بھی نہیں رہا ہو گا۔ جب شروع شروع میں یہ واقعہ ہوا تھا تو بڑی بے چینی تھی۔ بڑے جلسے جلوس تھے، قراردادیں پاس کی جاتی تھیں، عالمی رائے عامہ ـــ

بیدار کرنے کی کوششیں ہوتی تھیں' لیکن آج صورتِ حال یہ ہے کہ ہم قبلۂ اوّل پر یہودیوں کا قبضہ ذہنی طور پر تسلیم کر چکے ہیں۔ مستقبل کے بارے میں واضح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اب کیا صورت ہے جو سامنے آنے والی ہے۔ اگر حالات پر غور کیا جائے تو بڑا ہی تاریک اور بہت ہی مایوس کُن نقشہ سامنے آتا ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟

اس ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ سمجھنے کی ہے کہ ہماری اس ذلت و رسوائی اور پستی و زوال کا سبب کیا ہے؟

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

اس کا کوئی جواب ملنا چاہئے۔ اس کا جواب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں موجود ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کیا: "اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ"۔ ہمیں سزا مل رہی ہے تو اسی بات کی کہ ہم نے اس قرآن کریم سے بہت دُوری اختیار کر لی۔ حضورؐ کے فرمان کے بعد کسی اور کی دلیل ضروری نہیں۔ ہمارے لئے سب سے بڑی سند اللہ کا کلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے' لیکن مزید وضاحت کے لئے اس صدی کی دو عظیم ترین شخصیتوں کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں اہلِ علم کے دو حلقے ہیں۔ ایک حلقہ علماء کا ہے جن کی پوری زندگیاں دارالعلوموں میں قَالَ اللّٰہُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ کے سیکھنے سکھانے میں گزری ہیں۔ دوسرے ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے لوگ ہیں۔ برِعظیم پاک و ہند میں دارالعلوموں کا سلسلہ دیوبند سے اور کالجوں یونیورسٹیوں کا سلسلہ علی گڑھ سے شروع ہوا ہے۔

اب آپ ذہن میں رکھئے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے لوگوں میں سے چوٹی کی شخصیت علامہ اقبال کی ہے۔ ذہنی و فکری اعتبار سے پورے عالمِ اسلام میں ان کی فکر کا آدمی اس صدی میں پیدا نہیں ہوا۔ Intellectual Level پر وہ بالکل مسلّمہ طور پر بلند ترین شخصیت ہیں جو اس صدی میں پیدا ہوئی۔ اور دینی حلقوں سے' دارالعلوموں سے تعلیم یافتہ' قال اللہ و قال الرسول کی فضاؤں میں پلنے بڑھنے والوں میں

اس صدی کی عظیم ترین شخصیت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تھے۔ آپ "دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم ہیں۔ اور پھر ایسے ایسے بڑے شاگردوں کے استاد ہیں کہ جن کا نام سن کر انسان کی گردن خود بخود جھک جاتی ہے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ' مولانا شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا اشرف علی تھانویؒ' مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اور یہ سب کے سب شاگرد ہیں مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے۔ لفظ دیوبندی سے ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات کو تھوڑا سا مغالطہ ہو جائے۔ تو میں یہ وضاحت بھی کر دوں کہ مولاناؒ اس وقت جمعیت علمائے ہند کے صدر تھے جبکہ پورے ہندوستان میں ایک ہی جمعیۃ العلماء تھی۔ اُس وقت آج کی طرح دیوبندیوں' بریلویوں اور اہلِ حدیث کی علیحدہ علیحدہ یہ جمعیتیں نہ تھیں۔ جمعیۃ علمائے ہند پورے ہندوستان کے علماء کا متفقہ پلیٹ فارم تھی۔ بریلوی' دیوبندی اور اہلِ حدیث علماء سب اسی میں شامل تھے۔ بالفاظ دیگر دہلی' بدایوں اور اجمیر کے علماء اسی جمعیت میں تھے۔ اور اس وقت شیخ الہندؒ اس جمعیۃ علمائے ہند کے صدر تھے۔ پھر سیاسی اعتبار سے ان کے قد کاٹھ کا تصور اس سے کیجئے کہ انہوں نے ریشمی رومال کی تحریک چلائی تھی۔ شاید آپ میں سے بہت سوں نے اس تحریک کا نام بھی نہ سنا ہو۔ اُس وقت انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے جو ایک زبردست سکیم بنی تھی' اس کے بنانے والے یہی شیخ الہندؒ تھے۔ چنانچہ انگریزوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ آپ اس وقت حجازِ مقدس میں تھے۔ اور شریف حسین جو والیٔ مکہ تھا' اس نے غداری کر کے گرفتار کروا دیا۔ مکّہ سے آپ کو گرفتار کرنے کے بعد انہیں ہندوستان نہیں لایا گیا' بلکہ بحیرۂ روم کے جزیرہ مالٹا میں رکھا گیا۔ گویا ۔

اقبالؔ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو!

اور انہیں اس وقت رہا کیا گیا جب ٹی بی تیسری سٹیج کو پہنچ چکی تھی۔ انگریز کو اندیشہ یہ تھا کہ اگر ہماری قید میں ان کی موت واقع ہو گئی تو طوفان کھڑا ہو جائے گا' لہذا رہا کر دیا گیا۔ رہا ہو کر جب ہندوستان پہنچے اور بمبئی کے ساحل پر قدم رکھا تو پہلے دن جو لوگ ملنے کے لئے حاضر ہوئے ان میں مہاتما گاندھی بھی تھا۔ وہ آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اس سے آپ اندازہ کیجئے شیخ الہندؒ کی شخصیت کا۔

شیخ الہندؒ اور علامہ اقبال کا ذکر میں یہاں اس لئے کر رہا ہوں کہ یہ دونوں شخصیتیں

اس بات پر متفق ہیں کہ ہمیں جو سزا مل رہی ہے' وہ قرآن کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آپ کو سنا چکا ہوں اور ہمارے لئے مستند ترین بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی ہے' لیکن مزید وضاحت کے لئے اپنے ان بزرگوں کی بات بھی سن لیجئے۔ علامہ اقبال نے جواب شکوہ میں فرمایا کہ ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

یہی بات انہوں نے فارسی میں بڑے پُرشکوہ انداز میں کہی ہے کہ ۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شُدی
اے چو شبنم برزمین افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

کہ اے امتِ مسلمہ تو جو ذلیل و رُسوا ہوئی ہے اور دنیا میں اس طرح پامال کی جا رہی ہے' یہ قرآن کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔ یہاں اقبال نے "مہجوریٔ قرآن" کی ترکیب سورۃ الفرقان سے لی ہے' جہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الرَّسُولُ يَٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي ٱتَّخَذُوا۟ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ مَهْجُورًا ○

"اور رسول' فریاد کریں گے کہ اے ربّ! میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا"۔

تو یہ ہے علامہ اقبال کی نظر میں ہماری ذلت و نکبت اور پستی و رُسوائی کا اصل سبب جو اس نے قرآن پر گہرے غور و خوض کے نتیجے میں اخذ کیا ہے۔

دوسری طرف شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو جنہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کا واقعہ اپنی کتاب "وحدتِ امت" میں نقل کر دیا' ورنہ اتنا بڑا اور اہم واقعہ ہمارے علم میں نہ آ سکتا۔ وہ اس واقعے کے عینی شاہد ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ جب مالٹا کی جیل سے رہائی پا کر ہندوستان تشریف لائے تو دارالعلوم دیوبند میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں وہ سب بزرگ موجود تھے' جن کے ابھی میں نے نام گنوائے ہیں۔ یعنی مولانا حسین احمد مدنیؒ' مولانا اشرف علی

تھانوی"، مولانا شبیر احمد عثمانی" اور مولانا انور شاہ کاشمیری" وغیرہم۔ انہی کے ساتھ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب" بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت شیخ الہند" نے فرمایا کہ "ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں"۔ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے ۸۰ سال علماء کو درس دینے کے بعد آخری عمر میں جو سبق سیکھے ہیں، وہ کیا ہیں۔ فرمایا:

> "میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صَرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے ...... اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے!"

(وحدتِ امت، ص ۳۹ - ۴۰)

اس کے بعد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب" نے بڑی پیاری بات فرمائی ہے کہ حضرت" نے جو دو باتیں فرمائیں اصل میں وہ دو نہیں ایک ہی ہے۔ اس لئے کہ ہمارے اختلافات میں شدت اس وجہ سے ہوئی کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ قرآن مرکز تھا، اور جب تک سب مرکز سے جُڑے ہوتے تھے تو ایک دوسرے سے بھی جُڑے ہوتے تھے۔ جب اس مرکز سے دور ہوتے چلے گئے تو ایک دوسرے سے بھی دور ہوتے چلے گئے۔ بالکل سادہ سی بات ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: "غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ تھی۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی"۔ پس اس تباہی کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے قرآن کو ترک کر دینا۔

میں آپ کو وہ حدیث سنا چکا ہوں جس میں یہ قانونِ خداوندی بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو اٹھائے گا تو اسی قرآن کی وجہ سے اٹھائے گا اور جب گرائے گا تو اسی قرآن کو ترک کرنے کے باعث گرائے گا۔ آج ہم اسی قانون خداوندی کی زد میں ہیں۔ قرآن کے معاملے میں اپنا جو حال ہے وہ کسی کو نظر نہیں آ رہا ہے۔ آج سے تیس چالیس سال پہلے مسلمانوں کے محلوں میں سے گزرتے ہوئے ہر گھر سے قرآن پڑھنے کی آواز تو

آتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگ ٹھیک سے سمجھتے نہیں تھے' لیکن تلاوت تو بہرحال ہوتی تھی۔ اب تو تلاوت بھی نہیں ہے۔ غور و فکر اور سوچ و بچار کا تو سوال ہی نہیں۔ عربی کون سیکھے' کون پڑھے؟ عربی سے ہمارا کوئی دنیوی مفاد وابستہ ہو تو ہم سیکھیں۔ ہم انگریزی پڑھیں گے اور ایسی پڑھیں گے کہ انگریزوں کو پڑھا دیں' لیکن عربی سیکھنے کے لئے کوئی بھی وقت نکالنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم نے کئی جگہ عربی کلاس کا اجراء کیا۔ شروع میں بڑا ذوق و شوق ہوتا ہے۔ پچاس ساٹھ افراد شریک بھی ہو جاتے ہیں لیکن چند دنوں کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سب چھٹی کر گئے۔ پابندی کے ساتھ وقت نکالنا آسان نہیں جب تک کہ دین کی لگن نہ ہو' اور ایک فیصلہ نہ ہو کہ یہ کام مجھے کرنا ہے۔ اور اس طرح کے فیصلے ہم دنیا کے لئے تو کرتے ہیں' دین کے لئے نہیں۔

اس وقت ہمارے جو حالات ہیں' ان میں جگانے کی ضرورت ہے' ہوش میں آنے کی ضرورت ہے۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی ہیں کہ وہ ہونا چاہئے' یہ کرنا چاہئے' اس طرح کا ہونا چاہئے۔ میں ان میں سے کسی کی تردید یا تضحیک نہیں کر رہا ہوں۔ ٹھیک ہے' اسلحہ بھی فراہم کرنا ہوگا۔ اس کے لئے حکم ربانی ہے: "**اَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُم**" کہ جس قدر ممکن ہو جمع کیا جائے۔ پھر ہمیں اپنی خارجہ پالیسی پر بھی نظر کرنا ہوگی۔ دوست و دشمن کی تمیز کرنا ہوگی۔ یہ سارے کام کرنے ہوں گے۔ دعا کریں کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت ملک کی زمامِ کار ہے' اللہ تعالیٰ انہیں صحیح رائے پر پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان میں سے کسی کی نفی نہیں ہے لیکن میں جو بات بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں مسلمان کا معاملہ خاص ہے۔ ع "خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ!" اس کا معاملہ عام دنیا والوں کی طرح کا نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے بایں الفاظ خطاب فرمایا گیا: "**لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ**" کہ تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔ تم اگر نیکی کرو گی تو اس کا دُگنا اجر ملے گا اور اگر کوئی غلط حرکت کرو گی تو سزا بھی دُگنی ملے گی۔ کیونکہ تمہاری نیکی امت کی لاکھوں عورتوں کے لئے نمونہ بننے والی ہے' اور تمہاری لغزش امت مسلمہ کی کروڑہا عورتوں کے لئے لغزش کی بنیاد بن سکتی ہے۔ یہی معاملہ امتِ مسلمہ کا ہے۔ ہمارے پاس تو اللہ کی کتاب ہے اور اس کو دنیا تک پہنچانا ہمارے ذمّے لگایا گیا ہے۔ اگر ہم ہی اس میں

کوتاہی کرتے ہیں تو دوسروں کے پاس تو عذر موجود ہے کہ اے اللہ' ہمیں تو انہوں نے یہ کتاب پہنچائی ہی نہیں۔ یہ بدبخت اس کے اوپر خزانے کا سانپ بن کر بیٹھے رہے' نہ خود پڑھا نہ ہمیں پڑھنے دیا' نہ خود عمل کیا' نہ اسے ہمارے سامنے رکھا۔ لہٰذا یہ دوہرے مجرم ہیں' ان کو سزا بھی دگنی ملنی چاہئے۔ چنانچہ یہ وہ سزا ہے جو ہمیں دنیا میں مل رہی ہے اور یہی ہے اس سوال کا جواب کہ ؎

"ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!"

ہمارے نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ غیر مسلم اقوام دنیا میں سربلند کیوں ہیں؟ ہم کتنے ہی گئے گزرے سہی' پھر بھی ہم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے' کوئی روزہ رکھتا ہے' کوئی نہ کوئی قرآن بھی پڑھتا ہے' لیکن علامہ اقبال کے الفاظ میں ؎

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

والا معاملہ کیوں ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ یہ دوہری سزا کے مستحق ہیں۔ اگر یہ اپنا فرضِ منصبی انجام دیں اور جس پیغام کے یہ علمبردار اور امین بنائے گئے تھے' اس پیغام کو دنیا میں پیش کریں اور پھیلائیں تو دوہرا اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ: **"وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ"** اور اگر یہ اس میں کوتاہی کریں گے تو اولین سزا کے مستحق بھی یہی ہوں گے۔ ان کی پیٹھ پر اللہ کے عذاب کے کوڑے دوسروں سے زیادہ برسیں گے۔ اور آج ہم اسی قانونِ خداوندی کی گرفت میں آئے ہوئے ہیں۔

اب میں آپ کے سامنے اس سلسلے کی ایک اور حدیث کا مفہوم پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس حدیث کے راوی حضرت علیؓ ہیں۔ میں نے آپ کو ایک روایت حضرت عثمانؓ کی اور ایک روایت حضرت عمر فاروقؓ کی سنائی ہے اور اب حضرت علیؓ کی روایت بیان کر رہا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا' جس میں آپؐ نے فرمایا: عنقریب ایک بہت بڑا فتنہ ظاہر ہوگا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: حضورؐ اس فتنے سے نکلنے کا راستہ کیا ہوگا' اس سے بچاؤ کیسے ہوگا' اس فتنے سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کا طریقہ کونسا ہے؟ اب اس سوال کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا: "کتاب اللہ"۔ یعنی اس فتنے سے نکلنے کا ایک ہی راستہ

ہے' اور وہ ہے اللہ کی کتاب! یہی اس فتنے سے محفوظ کر سکتی ہے۔ آپ ؐ نے مزید فرمایا: "فِيْهِ خَبَرُ مَا قَبْلَكُمْ وَنَبَأُ مَا بَعْدَكُمْ" کہ اس میں جو تم سے پہلے کے حالات ہیں وہ بھی لکھے ہوئے ہیں اور جو بعد میں آنے والے حالات ہیں ان کا عکس بھی اس کتاب کی آیاتِ بیّنات میں موجود ہے......

...... یہ حدیث خاصی طویل ہے' لیکن اس کا ایک ٹکڑا میں خاص طور پر یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: "هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ" کہ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے!!۔

موجودہ حالات میں ہر چہار طرف سے مسلمانوں سے یہ بات کہی جا رہی ہے کہ انہیں متحد ہو جانا چاہئے۔ اور انہیں اپنے سارے اختلافات ختم کر لینے چاہئیں۔ یہ بات اصولی طور پر تو درست ہے' لیکن اتحاد کی بات کرنے والے یہ نہیں بتاتے کہ بنائے اتحاد کیا ہو؟ وہ کونسی چیز ہے جس کی بنیاد پر ہم مجتمع ہو سکتے ہیں؟ صرف خطرے کی بنیاد پر جو اتحاد ہوتا ہے وہ منفی اتحاد ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ منفی اتحاد بہت ہوئے ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ آج تک ان منفی اتحادوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ تو ضرورت مثبت اتحاد کی ہے جس کے لئے کوئی ٹھوس بنیاد ہو۔ اور قرآن حکیم نے اہلِ ایمان کے لئے اتحاد کی بنیاد یہ بتائی ہے کہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا: "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا" (اللہ کی رسی کو مجتمع ہو کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو!) اب غور طلب بات یہ ہے کہ وہ "حبل اللہ" کونسی ہے جسے مضبوطی سے تھاما جائے؟ زیر نظر حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسی کی وضاحت ہے: "هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ" کہ یہ قرآن مجید ہی اللہ کی وہ مضبوط رسی ہے جسے تم نے تھامنا ہے۔ یہی وہ مرکز ہے کہ اس کے قریب تر آؤ گے تو ایک دوسرے سے بھی جڑتے چلے جاؤ گے۔ اور اس سے دور ہٹتے جاؤ گے تو تمہارے اندر اضطراب' اختلاف اور انتشار اور تشتّت بڑھتا چلا جائے گا۔

تو واقعہ یہ ہے کہ ان حالات میں اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن حکیم کی طرف ہمارا رجوع ہو۔ ہماری تقدیر اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک اس قرآن کے ساتھ ہم اپنے تعلق کو ازسرِ نو مضبوط نہیں کر لیتے۔ جب تک ہم اس قرآن کا حق ادا نہیں کریں گے' اس وقت تک صرف سازو سامان ہمارے لئے مفید نہیں ہوگا۔ سازو

(باقی صہ۴۷ پر)

مُسلم فیملی لاز آرڈی ننس

پر

عُلماءِ کرام

کا

تبصرہ

○

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قِصّۂ پارینہ را

۲ مارچ کو مرکزی حکومت نے مسلم فیملی لاز آرڈی ننس ۱۹۶۱ء کے نام سے جو قانونی حکم صادر کیا ہے اور اس کو پیش کرتے ہوئے وزیر قانون جناب محمد ابراہیم صاحب نے جو توضیحی بیان دیا ہے اس کو ہم نے بغور دیکھا۔ ہم اس بات پر افسوس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ پچھلے پانچ سال کے دوران میں عائلی کمیشن کی رپورٹ پر اہلِ علم (یعنی علمِ دین کے جاننے والوں) کی طرف سے جو مدلل تبصرے کیے گئے تھے۔ اور اس کی کمزوریوں کی جو صاف صاف نشان دہی خود کمیشن کے ایک عالمِ دین رُکن اور دوسرے لوگوں کی طرف سے کی گئی تھی ان سب کو مرکزی حکومت نے بے تکلف نظر انداز کر دیا اور اس کمیشن کی بیشتر سفارشات کو قانون کا جامہ پہنا دیا۔ مزید افسوس اِس بات کا ہے کہ وزیرِ قانون نے اس نئی قانون سازی کو عین مطابقِ قرآن قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ تاہم یہ امر موجبِ اطمینان ہے کہ آرڈیننس کو فوری طور پر نافذ العمل قرار نہیں دیا گیا ہے اور اس کے نفاذ کو آئندہ کے کسی اعلان تک مؤخر رکھا گیا ہے۔ ہم اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر پُورے دلائل کے ساتھ اس آرڈیننس کی کمزوریوں اور اس کے نقصانات کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ حکومت پھر ایک مرتبہ غور کرے اور اس غلطی کی تلافی کرے۔ اب تک موجودہ حکومت کی یہ ایک قدر روایت رہی ہے کہ اس کے کسی فیصلہ کی غلطی اگر اس پر واضح کردی گئی ہے تو اس نے اِس فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے میں تامّل نہیں کیا ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ اس آرڈی ننس کے معاملے میں بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔

ذیل میں آرڈیننس کی قابلِ اعتراض دفعات پر سلسلہ وار تبصرہ اسی تعمیری غرض کے لیے پیش کیا جا رہا ہے:

دفعہ نمبر ۴:۔ اِس دفعہ کی رُو سے دادا اور نانا کے اُن پوتوں اور پوتیوں اور نواسوں نواسیوں کو دادا اور نانا کا وارث قرار دیا گیا ہے جن کے باپ یا ماں مُورث کی زندگی ہی میں وفات پا گئے ہوں۔ محترم وزیر قانون کے خیال میں یہ قرآنی قانون کی پیروی ہے۔ لیکن اس کے اندر قرآن کے چار صریح قاعدوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

۱۔ قرآن ایک مُورث کے ترکے میں صرف اُن رشتہ داروں کے حصّے مقرر کرتا ہے جو مُورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں لیکن آرڈی ننس کی یہ دفعہ بعض ان رشتہ داروں کو حصہ دلواتی ہے جو مُورث کی زندگی میں وفات پا چکے ہوں۔ اس دفعہ کی رُو سے پہلے یہ فرض کیا جائے گا کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار مُورث کی وفات کے وقت زندہ ہیں اور اس مفروضے کی بنا پر واقعی زندہ رشتہ داروں

کے ساتھ ان کا حصّہ نکالا جائے گا۔ پھران کا حصّہ نکالتے ہی انہیں مُردہ تسلیم کر لیا جائے گا اور آگے ان کے وارثوں میں وہ حصّہ تقسیم کیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کی کس آیت سے یہ قانونی مفروضات اور قانونی حیلے اخذ کیے گئے ہیں؟

۲۔ قرآنِ کریم میں جن رشتہ داروں کے حصّے مقرر کیے گئے ہیں ان میں بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ ماں، باپ، بیوی، شوہر اور مورث کے کلالہ ہونے کی صُورت میں بھائی اور بہن بھی شامل ہیں، لیکن آرڈی ننس کی یہ دفعہ ان میں سے صرف بیٹوں اور بیٹیوں کو اس امتیاز کے لیے منتخب کرتی ہے کہ مورث کی زندگی میں مرجانے کے باوجود وہ حصّہ وصول کرنے کے لیے مورث کی موت کے وقت زندہ فرض کیے جائیں گے اور پھر آگے حصّہ تقسیم کرنے کے لیے مُردہ تسلیم کر لیے جائیں، یہ امتیاز قرآن کی کس نص یا اس کے کس اقتضاء یا دلالت یا اشارے سے ماخوذ ہے؟

۳۔ قرآن کی رُو سے ایک مورث کے ترکے میں اس کے تمام بیٹوں اور بیٹیوں کا حق ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ صاحبِ اولاد ہوں یا نہ ہوں، شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں، بالغ ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن اس آرڈی ننس میں مزید امتیاز برتا گیا ہے کہ جو بیٹے اور بیٹیاں مورث کی زندگی میں لاولد مر گئے ہوں ان کو تو حصّہ وصول کرنے کے لیے زندہ فرض نہیں کیا جائے گا۔ البتہ جو اولاد چھوڑ گئے ہوں صرف اُن کا حصّہ وصول کیا جائے گا۔ اس امتیاز کے لیے قرآن کریم میں کیا دلیل ہے۔

۴۔ یہ آرڈی ننس مزید امتیاز یہ برتتا ہے کہ فوت شدہ صاحبِ اولاد بیٹوں اور بیٹیوں کی بھی صرف اولاد کو حصّہ پہنچاتا ہے۔ دراں حالیکہ قرآن کی رُو سے اگر مورث کے مال میں اُن کا کوئی حق ہے تو وہ پھر ان کی ماں یا ان کے باپ اور اُن کی بیوی یا اُن کے شوہر کو بھی پہنچنا چاہیے مثلاً اگر ایک متوفیہ بیٹی کا حصّہ نکالا جائے تو اس کا شوہر بھی حقدار ہے اگر وہ زندہ ہو اور اس کی ماں بھی حقدار ہے اگر وہ متوفیہ باپ سے حصّہ پا رہی ہو اور اس کا باپ بھی حقدار ہے اگر وہ متوفیہ ماں سے حصّہ پا رہی ہو۔ نانا سے صرف نواسوں اور نواسیوں کو حصّہ دلوانا اور دوسرے وارثوں کو چھوڑ دینا قرآن کے کس حکم پر مبنی ہے؟

ان سوالات کے جواب میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام نئے مفروضات اور قاعدے صرف قرآن کے اس منشاء کو پُورا کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں کہ یتامیٰ کی مدد کی جائے اگرچہ بجائے خود یہ قاعدے اور مفروضے قرآن سے ماخوذ نہیں ہیں۔ لیکن یہ عذر دو

وجوہ سے بالکل غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا قانونِ میراث سرے سے اس اصول پر مبنی ہی نہیں ہے کہ کسی پر رحم کھا کر اس کی مدد کی جائے ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ قرآن ایک مالدار رشتہ دار کو میراث کا حق پہنچاتا محض اس بنا پر کہ وہ قاعدے کے مطابق حقدار رشتوں کے دائرے میں شامل نہیں ہے۔ ایک اپاہج مفلس بھائی کو محروم کرنا اور ایک دولت مند بیٹے کو دولت مند باپ کی جائداد کا وارث بنانا بالکل غلط ہو جاتا، اگر قانونِ میراث بنانے سے قرآن کا منشا یہ ہوتا کہ حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔ دوسری وجہ جس کی بنا پر یہ عذر قطعاً غلط ہوگا یہ ہے کہ اگر فی الواقع قرآن کا ایسا کوئی منشا ہوتا کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کی مدد دادا اور نانا کی میراث میں اُن کو حصہ دار بنا کر کی جانی چاہیے تو آخر کیا امر اس میں مانع تھا کہ قرآن اپنے اس غامض منشا کو ایک صاف حکم کے ذریعے کھول دیتا؟ اور اگر قرآن نے نہ کھولا تھا تو یہ منشا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو مخفی نہیں رہنا چاہیے تھا۔ انہوں نے ایسا حکم کیوں نہیں دیا؟ اگر حضورؐ نے اس کو نہیں کھولا تھا تو آخر کیا معقول وجہ ہے کہ قرآن کا یہ منشا تمام خلفاء سے، تمام صحابہ سے، تمام آئمہ واہل بیت سے، تمام مجتہدین سے اور پچھلی تیرہ صدیوں میں اسلام کے سارے فقہا سے مخفی رہ گیا اور اس کو پایا تو اس زمانہ میں چند اُن لوگوں نے جنہوں نے چاہے جس علم کی بھی تعلیم و تربیت پائی ہو، قرآن و سنّت کے علم کی تعلیم و تربیت نہیں پائی۔ باپ کی زندگی میں فوت ہو جانے والے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کو جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو رفع کرنے کا صحیح طریقہ بارہا علماء کی طرف سے پیش کیا جا چکا ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ البتہ اس معاملے میں شریعت کے خلاف طریقوں کو درخورِ اعتنا سمجھا جاتا ہے اور انہیں رواج دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دفعہ نمبر ۵: اس دفعہ کی رُو سے یہ لازم کیا گیا ہے کہ تمام نکاح جو کسی علاقے میں ہوں وہ اِس علاقے کی یونین کونسل کے مقرر کردہ نکاح رجسٹرار کے پاس درج کیے جائیں اور اگر نکاح رجسٹرار کے سوا کسی اور نکاح خوان سے پڑھایا ہو تو اس کی اطلاع نکاح رجسٹرار کو کی جائے۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو تین مہینے قید یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ تک کی سزا دی جائے گی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

جہاں تک کہ نکاح کی رجسٹری کا تعلق ہے اس کی ضرورت اور اس کے فائدے سے انکار

نہیں۔ اگر اس رجسٹری کے لیے ملک میں جگہ جگہ مناسب انتظامات موجود ہوں اور لوگوں کے علم میں اِس کے فائدے لائے جائیں تو اُمید ہے کہ لوگ خود اپنے مفاد کی حفاظت کے لیے رجسٹریشن کی ان سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔ لیکن اس کو قانوناً لازم کرنا اور اس کی خلاف ورزی کو ایک جُرم مستلزم سزا قرار دینا متعدّد وجُوہ سے غلط ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں نکاح شرعاً بالکل صحیح طور پر منعقد ہو جاتا ہے اگر عورت اور مرد نے دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیا ہو۔ نکاح کا خطبہ پڑھا جانا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ کسی قاضی یا عالم کا موجُود ہونا اور اس کا خطبہ پڑھنے کے بعد ایجاب و قبول کرانا زائد از ضرورت مستحبات میں سے ہے۔ نکاح اس کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے لیکن یہ رجسٹریشن کا حکم نکاح خوان کا ایک باقاعدہ منصب قائم کرتا ہے۔

دوسری بات وضاحت طلب یہ ہے کہ جس نکاح کی رجسٹری نہ ہوئی ہو اور شریعت کے مطابق دو شہادتیں اس پر قائم ہو جائیں، آیا اس کو آپ کی عدالت تسلیم کرے گی یا نہیں؟ اس نکاح کی بناء پر عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا جائز وارث تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟ ان سے پیدا شدہ اولاد کو جائز اولاد مانا جائے گا یا نہیں؟ وہ اولاد اپنے باپ سے میراث پائے گی یا نہیں؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے تو یہ شریعتِ اسلامیہ سے کھُلا تصادم ہے کیونکہ شریعت کی رُو سے ایک نکاح جائز ہو گا اور آپ کے قانون کی رُو سے ناجائز ہو گا۔ شریعت کی رُو سے کچھ حقوق ثابت ہوں گے اور آپ کے قانون کی رُو سے وہ باطل ہو جائیں گے اور اگر ان سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو پھر آپ کا ازرُوئے قانون رجسٹریشن کو لازم کرنا اور رجسٹری نہ کرانے والوں کو سزائیں دینا عملاً بے معنی ہو جاتا ہے۔

تیسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ آیا واقعی یہ رجسٹریشن جائز نکاحوں کے ثبوت کا کوئی یقینی ذریعہ ہے؟ اور آج تک مسلمانوں میں جو نکاح رجسٹری کے بغیر ہوتے رہے ہیں ان پر اس طریقہ کو کوئی واضح فوقیت حاصل ہے؟ ہمارے خیال میں تو رجسٹریشن کو اس حد تک اہمیت دینا صحیح نہیں ہے۔ ملک کی موجُودہ بگڑی ہوئی حالت میں اس بات کا بہت کافی امکان ہے کہ ایک با اثر غنڈہ رشوت اور سازش کے ذریعہ سے کسی شریف عورت کے ساتھ اپنے نکاح کا بالکل فرضی اندراج کرا دے،

اور اس پر اپنے ساتھی غنڈوں کی گواہیاں ثبت کرا دے اس طرح کے اندراجات سے وہ ساری قباحتیں پیدا ہو سکتی ہیں، جو مروّج طریقِ نکاح کی صورت میں فرض کی جا سکتی ہیں۔

اِن وجوہ سے ہم پھر اپنی اس رائے پر اصرار کریں گے کہ رجسٹریشن کی سہولتوں کو صرف مہیا کر دینے پر اکتفا کیا جائے اور بتدریج لوگوں کو اس بات کا عادی کیا جائے کہ وہ رضا کارانہ طریقے پر ان سے فائدہ اٹھائیں۔ معاشرے کے ہر مسئلہ کو جبر و تعزیر کے زور سے حل کرنے کی کوشش نہ صحیح ہے اور نہ اس کے اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

دفعہ نمبر ۶ : یہ دفعہ تعدّدِ ازدواج پر پابندیاں عاید کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے قبل اس کے کہ ہم اس دفعہ کا تجزیہ کر کے اس پر بحث کریں، ہم یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ تعددِ ازدواج کو اصلاً ایک بُرائی سمجھنا اور صرف ناگزیر ضرورت کی حالت میں اس کو جائز قرار دینا ایک غیر اسلامی تخیّل ہے۔ اسلام اس تخیّل سے قطعاً نا آشنا ہے، یہ مغرب سے درآمد ہوا ہے اور اس کے جواز کو ناگزیر ضرورت کے ساتھ مقیّد کرنے کی کوشش مغرب کے سامنے ایک معذرت کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ قرآن جن انبیاء کو خدا کے مقرر کردہ امام اور پیشوا اور مقتدا قرار دیتا ہے، اُن میں سے بیشتر تعددِ ازدواج پر عامل تھے۔ خود سرورِ انبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بیویاں تھیں۔ کوئی منکرِ حدیث بھی اِس امرِ واقعہ سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ قرآن میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا ذکر ہے (وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ - قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفاء، بیشتر صحابہ، اکثر ائمہ اہل بیت اور اسلامی تاریخ کے بیشتر اکابرین جن پر مسلمانوں کو فخر ہے بیک وقت متعدد بیویاں رکھنے والے تھے۔ اُن میں سے کس کس کے متعلق آخر آپ ثابت کریں گے کہ اُن کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی سخت ضرورت تھی؟ اِس چیز کو اصلاً ایک بُرائی تسلیم کر لینے کے بعد تو لازماً یک زوجی کے قائل اہلِ مغرب بہت سی ناجائز داشتائیں اور آشنائیں رکھنے کے باوجود صالح قرار پاتے ہیں۔ اِس لیے کہ ان میں سے کسی نے کسی ضرورت کی بناء پر بھی ایک سے زائد قانونی بیویاں نہیں رکھیں، اور مسلمانوں کے بیشتر اکابر کم از کم نیم صالح تو قرار پاتے ہی ہیں کیونکہ وہ ضرورتاً اس "برائی" پر عمل کرتے رہے۔

مزید برآں یہ بات قابلِ غور ہے کہ تعددِ ازدواج کے معاملے میں تو ہمارے وزیرِ قانون صاحب

اور ہمارے دوسرے لیڈروں اور حکمرانوں کو قرآن کا کوئی مخفی منشا تلاش کر کے اس پر پابندیاں عائد کرنے کی اس قدر سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن قرآن نے جن برائیوں کو صریح الفاظ میں منع کیا ہے ان میں سے کسی کو قانون کے ذریعہ سے روکنے کی انہوں نے کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اگر ایک شخص ایک بیوی کے موجود ہوتے ہوئے طوائفوں کے ہاں جائے یا کوئی داشتہ رکھے یا آزادانہ شہوت رانی کرتا پھرے تو فرمائیے کہ آپ کے قانون میں اس کے لیے کیا رکاوٹ ہے؟ کیا سزا اس کے لیے تجویز کی گئی ہے؟ کن بیگمات نے اس کے خلاف کبھی احتجاج کیا اور اُس کو از رُوئے قانون روکنے کا کبھی مطالبہ کیا؟ کب آپ نے کوئی کمیشن بٹھایا کہ اس کے سدباب کے لیے بھی کوئی تدبیر تجویز کی جائے؟ اس صریح بُرائی کو تو آپ رواداری کا مستحق سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن اسے انتہائی سخت جُرم قرار دیتا ہے اور اس کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے مگر تعدّدِ ازواج پر آپ پابندیاں عائد کرنے کی فکر کرتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کے منشا کو پُورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ طرزِ عمل کسی صحیح ذہنیت کی غمازی نہیں کرتا۔ کیوں صاف صاف یہ اعتراف نہیں کیا جاتا کہ قرآن کا منشا، پُورا کرنا پیشِ نظر نہیں ہے بلکہ اُن اہلِ مغرب کے سامنے معذرت پیش کرنا مقصود ہے جو مسلمانوں سے سابقہ پیش آتے ہی سب سے پہلے تعدّدِ ازواج پر برسنا شروع کر دیتے ہیں اور اس بات کو بھُول جاتے ہیں کہ غیر قانونی تعدّدِ ازواج اُن کے ہاں جس بڑے پیمانے پر رائج ہے اتنا مشکل ہی سے دنیا کی کسی سوسائٹی میں آج تک رائج رہا ہوگا۔ حتیٰ کہ اُن کے بعض ملکوں میں آج خود یو۔ این۔ او کی ایک رپورٹ کے مطابق ناجائز ولادتوں کا اوسط ۶۰ فی صدی تک پہنچ چکا ہے۔

اب ہم اس دفعہ کے مشتملات پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس میں ایک شخص کو جو ایک بیوی یا زائد بیویوں کی موجودگی میں مزید نکاح کرنا چاہتا ہو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ اوّلاً وہ اپنی موجودہ بیوی یا بیویوں کی رضامندی حاصل کرے، ثانیاً اپنے علاقہ کی یونین کونسل کے چیئرمین سے اجازت حاصل کرنے کی درخواست کرے، ثالثاً ایک پنچایت کو جو اس شخص کے نمائندے اور اُس کی بیوی یا بیویوں کے نمائندے اور یونین کونسل کے چیئرمین پر مشتمل ہوگی، اس بات پر مطمئن کرے کہ اس کا مزید ایک بیوی کرنا ضروری اور حق بجانب ہے۔ ان شرائط کی تکمیل کے بعد پنچایت سے اجازت نامہ حاصل کرنے پر وہ نکاح کرنے کا مجاز ہوگا لیکن پنچایت کے اِس فیصلے کے خلاف مغربی پاکستان میں کلکٹر کے پاس

اور مشرقی پاکستان میں سب ڈویژنل آفیسر کے پاس نگرانی کی جا سکے گی اور اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہو گا جس کے خلاف کہیں کوئی اپیل نہ ہو سکے گی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ نکاح کی اجازت دینے کے حق میں ہو یا اجازت منسوخ کرنے کے حق میں۔ مزید برآں اس دفعہ میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ جو شخص مذکورۂ بالا قاعدہ کے خلاف نکاح کرلے۔

۱۔ اس کی بیوی یا بیویوں کو فوراً پورا مہر دلوایا جائیگا، خواہ وہ اصلاً مہر معجّل ہو یا مؤجّل۔

۲۔ اس کو ایک سال قید یا پانچ ہزار روپیہ جرمانہ تک کی سزا دی جائے گی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

۳۔ اس کا نکاح علاقے کے رجسٹرار کے پاس درج نہیں کیا جائے گا، جس کے معنی غالباً یہ ہیں کہ وہ سرے سے قانوناً مسلّم ہی نہیں ہو گا۔

۴۔ اس کی بیوی یا بیویوں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ اس شکایت کی بنیاد پر عدالت میں خُلع کا مطالبہ کرے یا کریں۔

وزیرِ قانون صاحب ہم کو یہ یقین دلانے کی کوشش فرماتے ہیں کہ سب کچھ انہوں نے قرآن کے منشاء کو پورا کرنے کے لیے کیا ہے لیکن قرآن کے جس منشاء کی وہ نشان دہی فرماتے ہیں وہ خود اُن کے الفاظ میں اِس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک سے زائد بیویوں کے ساتھ نکاح اس شرط پر جائز ہے کہ شوہر سب بیویوں کے درمیان عدل کرے۔ وزیرِ قانون صاحب کا ارشاد ہے کہ وہ تعددِ ازواج پر پابندیاں اس لیے عائد فرمارہے ہیں کہ لوگ اس اجازت سے غلط فائدہ اُٹھا کر ایک سے زائد بیویاں کر لیتے ہیں اور عدل کی شرط پوری نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عدل کا سوال آیا نکاح سے پہلے پیدا ہوتا ہے یا نکاح کے بعد؟ ظاہر بات ہے کہ یہ سوال ایک سے زائد نکاح کر لینے کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ آیا شوہر نے عدل کیا ہے یا نہیں۔ وجہ شکایت قرآن کی رُو سے جائز طور پر صرف اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ شوہر نے عدل نہ کیا ہو۔ اور اُس وقت ایک بیوی کو جس کے ساتھ عدل نہ ہو رہا ہو یہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ یا تو اس کے ساتھ عدل کیا جائے یا شوہر صرف ایک بیوی رکھے۔ قرآن کا نام لے کر اس کے اِس منشاء کو پورا کرنے کی یہ شکل قرآن کے کس لفظ یا اشارے یا فحوٰی سے اخذ کی گئی ہے کہ نکاح سے پہلے شوہر اپنی موجود بیوی یا بیویوں

کی رضامندی حاصل کرے اور ایک پنچایت کو اپنی ضرورت کا اطمینان دلائے ؟ پھر قرآن کے کس لفظ یا اشارے سے یہ حکم اخذ کیا گیا ہے کہ جو نکاح موجود بیوی یا بیویوں سے اجازت لیے بغیر اور ایک پنچایت سے لائسنس حاصل کیے بغیر کیا گیا ہو، وہ قانوناً تسلیم ہی نہ کیا جائے اور اس شخص کو جیل بھی بھیجا جائے! اور قبل اس کے کہ اس کی بیوی یا بیویوں کو عدل نہ کیے جانے کی شکایت پیدا ہو مجرد نکاح کر لینا ہی وہ جائز وجہ شکایت ہو جس کی بناء پر وہ خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے یا کر سکتی ہیں ؟ براہ کرم ہمیں یہ بتائیے کہ یہ سب کچھ قرآن کے کس مقام سے اخذ کیا گیا ہے ؟ اور اگر قرآن میں یہ نہیں ہے تو کیا کہیں کوئی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیوی کے بعد جتنی شادیاں کیں اُن سے پہلے حضور نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے انہیں اس بات پر مطمئن کیا ہو کہ مجھے مزید بیویوں کی ضرورت ہے ؟ یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو دُوسری شادی کرنے سے پہلے اِس بات پر مجبور کیا گیا ہو کہ وہ کسی پنچایت کے سامنے اپنی ضرورت ثابت کریں ؟ یا تاریخِ اسلام میں کبھی کسی بیوی کو صرف اس بناء پر خلع کے مطالبے کا حق دیا گیا ہو کہ اس کے شوہر نے دوسری شادی کر لی ہے ؟ یا کسی شخص کو اِس جرم میں پکڑا گیا ہو کہ اس نے پچھلی بیویوں سے اجازت لیے بغیر اور پنچایت سے لائسنس لیے بغیر مزید ایک نکاح کر ڈالا ہے ؟

اگر پیشِ نظر قرآن کا نام لے کر مغربی تخیلات کو اسلامی قانون میں داخل کرنا ہو تب تو بات دوسری ہے ورنہ قرآن کے منشاء ہی کو پورا کرنا فی الواقع پیشِ نظر ہو تو یہ پوری دفعہ منسُوخ کر دینے کے قابل ہے کیونکہ قرآن اور سُنّت اور فقہِ اسلامی اس کے بنیادی تخیلات اور اس کے اصول و قواعد سے بالکل نا آشنا ہیں۔ اس کے بجائے صرف ایک چیز اس دفعہ میں ہونی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی صورت میں اُن کے درمیان عدل نہ کرے، اس کے خلاف اس بیوی کو عدالت میں شکایت لے جانے کا حق ہو گا جس کے ساتھ عدل نہ کیا جا رہا ہو اور عدالت شوہر کو اس کے ساتھ انصاف کرنے پر مجبور کرے گی۔

دفعہ نمبر ۷: اِس دفعہ میں طلاق کے جو احکام وضع کیے گئے ہیں، وہ تقریباً پُورے کے پُورے قرآن کے احکام کے خلاف ہیں۔ اور ان احکام کو نافذ کرنے کے نتائج مسلم معاشرے کے حق میں اس قدر فتنہ انگیز ہوں گے کہ شاید ابھی اُن کا پُورا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اِس کی پہلی شق میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو کسی صورت میں طلاق دے (غالباً "کسی صورت" سے مُراد یہ ہے کہ خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن یا مغلّظ) وہ یونین کونسل کے چیئرمین کو اپنے اس فعل کی اطلاع دے گا۔ دوسری شق میں یہ طے کیا گیا ہے کہ جو شخص اطلاع نہ دے اس کو ایک سال قید یا پانچ ہزار روپے جرمانہ تک کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ تیسری اور پانچویں شق میں طے کیا گیا ہے کہ: (۱) طلاق کی عدّت طلاق دینے کے وقت سے نہیں شروع ہو گی، بلکہ یونین کونسل کے چیئرمین کو نوٹس ملنے کے بعد سے شروع ہو گی۔ (۲) اور یہ عدّت عورت کے غیر حاملہ ہونے کی صورت میں ۹۰ دن کی ہو گی اور حاملہ ہونے کی صورت میں وضعِ حمل تک یا ۹۰ دن تک (ان میں سے جو مدت بھی طویل تر ہو) ممتد ہو گی یعنی اُس مدت کے اندر رجوع کا حق ہو گا۔ (۳) یونین کونسل کا چیئرمین نوٹس ملنے کے بعد ۳۰ دن کے اندر ایک پنچایت مقرر کرے گا جو زوجین کے درمیان صُلح کرانے کی کوشش کرے گی اور اُس کے ناکام ہونے کی صورت میں طلاق نافذ ہو گی۔

یہ تمام شقیں قرآن کے صریح احکام سے ٹکراتی ہیں۔ وزیر قانون صاحب اپنے بیان میں فرماتے ہیں کہ "اِسلامی قانونِ طلاق کے اصُولوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب کبھی میاں اور بیوی میں اختلافات رُونما ہوں تو قریبی رشتہ دار اور دوسرے لوگ اُن کے درمیان صُلح کرانے کی کوشش کریں تاکہ فوری تفریق نہ ہونے پائے"۔ لیکن دراصل انہوں نے قرآن کے دو احکام کو بالکل غلط طریقے سے ایک دُوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے اور قرآن کے دیئے ہوئے حقِ طلاق کو ایک پنچایت کے ساتھ معلق کر کے رکھ دیا ہے۔ قرآن مجید میں طلاق کے احکام بالکل الگ بیان کیے گئے ہیں اور میاں بیوی کے اختلافات کو رفع کرنے کی صورت الگ بیان کی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں آیت ۲۲۷ سے لے کر ۲۴۲ تک اور سورۂ احزاب کی آیت ۴۹ میں اور سورۂ طلاق کی پہلی آیتوں میں طلاق کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ کوئی قانونی فہم رکھنے والا شخص ان احکام کو پڑھتے ہوئے قطعاً یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہاں شوہر کے حقِ طلاق کو کسی پنچایت یا عدالت کے سامنے پیش کرنے اور اُس کا فیصلہ حاصل کرنے سے مقیّد کیا گیا ہے۔ ان تمام احکام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شوہر جب چاہے طلاق دینے کا مختار ہے۔ ایک آیت کے اندر تو صاف الفاظ میں "بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ" کا فقرہ ارشاد فرمایا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ عقدِ نکاح کو برقرار رکھنا یا توڑ دینا شوہر کے اختیار میں

ہے اور اپنے اس اختیار کو استعمال کرنے کے لیے وہ قطعاً کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کا پابند نہیں ہے۔ دوسری طرف سُورۂ نسار کی آیت ۳۴، ۳۵ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ نیک بیویاں شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں۔ اگر بیوی نشوز کا رویّہ اختیار کرے تو شوہر کو اسے مطیع بنانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرنے کا حق ہے اور اگر زوجین کے درمیان کوئی جھگڑا ہو تو ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم بیوی کے خاندان سے مقرر کیا جائے تاکہ وہ دونوں مل کر اُن کے جھگڑے کو رفع کرانے کی کوشش کریں۔ اِس آیت میں سرے سے طلاق کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے اور کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اِس سعی مصالحت کے بغیر شوہر طلاق کا اختیار استعمال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اِن دو الگ قوانین کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی کوشش کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

دراصل اِس دفعہ کا پُورا تخیل مغرب کے انتہائی ناقص قوانینِ نکاح وطلاق سے اخذ کیا گیا ہے اور نام یہ لیا جا رہا ہے کہ یہ قرآنی قانونِ طلاق کے اصُولوں پر مبنی ہے۔ مغرب ایک مدت دراز تک طلاق کو ایک بُرائی اور ایک ناجائز کارروائی سمجھتا رہا اور اسلام پر اعتراض کرتا رہا کہ اس میں یہ چیز جائز ہے۔ پھر اپنے اس غلط تخیل کے بدترین نتائج دیکھ لینے کے بعد جب اس نے طلاق کے جواز کی ضرورت محسوس کر لی تو اپنے سابق طرزِ فکر کو برقرار رکھتے ہوئے، اس نے طلاق کی ضرورت پوری کرنے کے لیے یہ شکل اختیار کی کہ عورت اور مرد دونوں کو علیٰحدگی چاہنے کی صُورت میں عدالتی فیصلہ کا پابند کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندانوں کے گندے کپڑے کھُلم کھُلا عدالتوں میں دھوئے جانے لگے۔ طلاق چاہنے والے چونکہ مجبُور تھے کہ ایک عدالت کو اس بات پر مطمئن کریں کہ اُن کے لیے جدائی ناگزیر ہو چکی ہے، اس لیے انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جھوٹے الزامات اور زیادہ بداخلاقی کے اتہامات مجبوراً لگائے کیونکہ اصل وجوہِ طلاق لازماً وہی نہیں ہو سکتے جو کسی عدالت کو مطمئن کر دیں۔ اِس طرح اِن غلط قوانینِ طلاق کی بدولت مغربی معاشرہ طلاق کے انتہائی فتنہ انگیز مقدمات سے لبریز ہو گیا۔ اب ہمارے نئے قانون سازان اہلِ مغرب کی اندھی تقلید میں ہمارے معاشرے کو اس فتنہ سے دوچار کرنے کے درپے ہیں۔

آرڈیننس کی اس دفعہ کی مذکورہ بالا شقوں میں حسبِ ذیل امُور صریح طور پر قرآن کے خلاف ہیں:

۱۔ اس میں عورت کی عِدت یونین کونسل کے چیئرمین کو نوٹس دینے کے بعد سے شروع ہوتی ہے، خواہ طلاق دینے کے مہینے دو مہینے بعد ہی یہ نوٹس دیا گیا ہو حالانکہ قرآن کی رُو سے طلاق زبان سے نکالتے ہی عِدت کی مدت شروع ہو جاتی ہے۔

۲۔ اس میں عِدّت کی مدت غیر حاملہ عورت کے لیے ۹۰ دن قرار دی گئی ہے، حالانکہ قرآن کی رُو سے تین حیض اس کی مدت ہے۔

۳۔ اس میں حاملہ عورت کی عِدّت کی مدّت وضعِ حمل یا ۹۰ دن (ان میں سے جو مدّت بھی طویل تر ہو) قرار دی گئی ہے حالانکہ قرآن کی رُو سے حاملہ کی عدت وضعِ حمل پر ختم ہو جاتی ہے اور صرف غیر حائضہ عورت کی مدّتِ عدّت نوّے دن نہیں، بلکہ تین مہینے رکھی گئی ہے۔

۴۔ اس میں طلاق کے نفاذ کو یونین کونسل کے چیئرمین تک اطلاع پہنچنے اور اس کی سعی مصالحت کرنے پر موقوف کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ قرآن کے بالکل خلاف ہے جیسا کہ ہم اُوپر واضح کر چکے ہیں۔

۵۔ اس میں شوہر کے خاندان اور بیوی کے خاندان کے ایک ایک حَکم کے ساتھ یونین کونسل کے چیئرمین کا مزید اضافہ کر دیا گیا ہے، حالانکہ قرآن صرف دونوں خاندانوں کے ایک ایک حَکم کے سامنے اختلافات پیش کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یونین کونسل کا چیئرمین لازماً اپنے علاقے کے تمام خاندانوں کا کوئی معتمد علیہ سرپرست نہیں ہو سکتا بلکہ آپ کے کسی قانون کی رُو سے اس کا مسلمان ہونا تک ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں خاندان یا ان میں سے کوئی ایک اس بیرونی آدمی کے سامنے اپنے گھریلو جھگڑے رکھنے پسند نہ کریں۔ کسی بیرونی شخص کے سامنے میاں اور بیوی کے بعض ایسے معاملات بھی آ سکتے ہیں کہ اگر ازروئے قانون اُن کا لانا لازم کر دیا جائے تو شاید وہی خواتین جو آج اِس طرح کے قانون کا بڑے جوش و خروش سے خیر مقدم فرما رہی ہیں، اُس وقت چیخ اٹھیں گی جب یہ جھگڑے پنچایتوں میں آنے شروع ہوں گے۔ اور بعید نہیں کہ جب طلاق کا نفاذ ایک پنچایت کے اطمینان پر موقوف ہو جائے تو ہمارے ہاں بھی شوہر اپنی بیویوں پر جھوٹے اخلاقی الزامات لگانا شروع کر دیں گے تاکہ پنچایت کو طلاق کے ناگزیر ہونے کا قائل کر سکیں۔

اِس دفعہ کی شق نمبر ۶ ایک اور فتنہ انگیز صُورت پیدا کرتی ہے۔ اِس میں یہ طے کیا گیا ہے

کہ ہر وہ نکاح جو کسی مؤثر طلاق کے ذریعے سے ختم ہو چکا ہو، اس کے فریقین دوبارہ باہم نکاح کر سکیں گے، بغیر اس کے کہ بیک وقت دی ہوئی طلاقیں خواہ تین ہی کیوں نہ ہوں مغلّظ نہیں ہوں گی اور عملاً ان کی تاثیر ایک ہی طلاق کی ہو گی۔ بلاشبہ یہ چیز بعض فقہی مذاہب کے نزدیک درست ہے لیکن حنفی مذہب کے خلاف ہے۔ حنفی مذہب میں اگر تین طلاق بیک وقت دیئے گئے ہوں تو اس سے طلاقِ مغلّظ واقع ہو جاتی ہے اور مطلّقہ عورت سے اس کا سابق شوہر نہ تو مدّتِ عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ عدت گزر جانے کے بعد اس کے ساتھ پھر نکاح کر سکتا ہے، جب تک کہ اس کی تحلیل نہ ہو جائے۔ اس ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے۔ ان حنفی باشندوں کو جو اعتماد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مذہبِ حنفی کے ائمہ و فقہا کے علم و تقویٰ پر ہے وہ اعتماد آج کل کے قانون سازوں پر نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا۔ اس قانون سازی کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کے عقیدے اور قانونِ رائج الوقت کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے گا اور اس سے اُن کی معاشرتی زندگی میں بڑی پیچیدگیاں رُونما ہوں گی۔ مثال کے طور پر ایک شوہر اگر اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دینے کے بعد اس سے رجوع کر لے تو اسی کی حنفی بیوی اور اُس کا خاندان اس رُجوع کو جائز تسلیم نہیں کریں گے، بیوی نہ شوہر سے آزاد ہو کر دُوسرا نکاح کر سکے گی کیونکہ قانون اس میں مانع ہو گا اور نہ اپنے آپ کو اس شوہر کے حوالے کر سکے گی کیونکہ اس کے عقیدہ کی رُو سے یہ زنا کا ارتکاب ہو گا۔ کیا اس پیچیدگی کو آپ کا کوئی قانون رفع کر سکتا ہے؟ کیا آپ کے قوانین یہ طاقت رکھتے ہیں کہ لوگوں کے عقائد تبدیل کر سکیں؟

دفعہ نمبر ۱۲ : اس دفعہ میں لڑکیوں کے لیے عمرِ نکاح کی مدّت ۱۴ سال سے بڑھا کر ۱۶ سال کر دی گئی ہے۔ یعنی ۱۶ سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح اب از رُوئے قانون نہ ہو سکے گا۔ عمرِ نکاح مقرر کرنے کا قانون پہلی مرتبہ جب انگریزی دَور میں بنایا گیا تھا، اُس وقت بھی علماء نے اس پر احتجاج کیا تھا اور اب اس موقعہ پر ہم پھر اس پر اعتراض کرنے کے لیے مجبور ہیں کیونکہ یہ قرآن مجید کے صریح حکم کے خلاف اور اُن کے مصالح سے متصادم ہے جنہیں اسلامی شریعت نے اہمیّت دی ہے۔

قرآن مجید میں بالفاظِ صریح ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے جس کو ابھی حیض نہ آیا ہو۔ سورۂ طلاق کی آیت نمبر ۴ میں بتایا گیا ہے کہ جن عورتوں کا حیض آنا بند ہو چکا ہو یا جن عورتوں کو ابھی

حیض آنا نہ شروع ہوا ہو ان کے معاملے میں عدّتِ طلاق تین مہینے ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ عدّتِ طلاق کا سوال پیدا ہی اُس وقت ہوتا ہے جبکہ پہلے نکاح ہو چکا ہو۔ اس طرح قرآن مجید صریح طور پر اس لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیتا ہے جس کو حیض آنا نہ شروع ہوا ہو۔ ہمارے ملک میں بالعموم لڑکیوں کو ۱۳ برس کے لگ بھگ عمر میں حیض آنا شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن کی رُو سے اس سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے، لیکن اس آرڈی ننس کی رُو سے ۱۶ برس سے کم عمر کی لڑکی سے نکاح ناجائز ہے۔

قرآن کے ساتھ اِس تصادم کے علاوہ یہ سوال قابلِ غور ہے کہ اس ملک میں کیا کوئی ایسا قانون ہے جس کی رُو سے ۱۶ برس سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ زنا کی روک تھام ہو سکے؟ محض یہ بات کہ ۱۶ برس سے کم عمر کی لڑکی نابالغہ ہو اور اس کے ساتھ مباشرت زنا بالجبر قرار پائے اس خرابی کی روک تھام کے لیے مؤثر ذریعہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ ایسی لڑکی اگر اپنی مرضی سے زنا کرائے تو اس جرم کا قانون کے علم میں آنا ضروری نہیں ہے، لیکن اس کا نکاح جب بھی کیا جائے گا وہ لازماً قانون کے علم میں آئے گا اور اس کے مرتکبین سزا پائیں گے۔ اب یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ ایک لڑکی کے زانیہ ہو جانے کا تو سدِّباب نہ ہو مگر اُس کے نکاح کا سدِّباب کر دیا جائے اور اگر ایک باپ اپنی ۱۴، ۱۵ برس کی عمر کی لڑکی بگڑتے ہوئے دیکھ کر اُس کا نکاح کر دینا چاہے تو نہ کر سکے اور اس کے بگڑنے کے خطرے کو مجبوراً برداشت کرتا رہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صغر سنی کی شادی بالعموم ہمّت افزائی کی مستحق نہیں ہے اور جن علاقوں میں اس کا رواج قباحتیں پیدا کر رہا ہے وہاں اس کی اصلاح کی ضرورت ہے لیکن معاشرے کی ہر خرابی کا علاج لازماً جبر ہی نہیں ہے۔ عوام میں تعلیم و تلقین کے ذریعہ سے اس رُجحان کو روکا جا سکتا ہے، بغیر اس کے کہ قانوناً نکاح کی عمر مقرر کر کے اس سے کم عمر کے نکاح کو سرے ہی سے حرام کر دیا جائے۔

یہ ایک حق نصیحت ہے جو ہم اس مُلک کی بھلائی کے لیے اس آرڈی ننس کے نفاذ سے پہلے ادا کر رہے ہیں۔ اس کو ادا کر دینے کے بعد ہمارا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ اب یہ حکومت کا کام ہے کہ جن غلطیوں کی نشاندہی دلائل کے ساتھ کر دی گئی ہے اُن کی اصلاح کرے۔

مولانا مفتی محمد حسن۔ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا ابوالبرکات سیّد احمد قادری، ناظم مرکزی حزب الاحناف پاکستان لاہور
مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، لاہور
مولانا محمد ادریس کاندھلوی، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
مولانا مفتی جعفر حسین مجتہد، سابق ممبر بورڈ آف تعلیمات، دستور ساز اسمبلی پاکستان
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، صدر جماعت اہلحدیث لاہور
مولانا سیّد محمود احمد رضوی، نائب ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف پاکستان لاہور
مولانا ابن الحسنات سیّد خلیل احمد قادری، خطیب مسجد وزیر خان لاہور
مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، خطیب جامعہ قدس اہلحدیث لاہور
مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی لاہور
مولانا عبدالستار خاں نیازی لاہور

"مجھے اصل دفعات سے وہی اختلاف ہے جو اس مضمون میں ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن ان دفعات کی وضاحت میں جو امور تحریر فرمائے گئے ہیں ان کے بعض اجزا سے اتفاق نہیں ہے"۔

مولانا حافظ کفایت حسین مجتہد ادارہ عالیہ
تحفّظ حقوق شیعہ پاکستان لاہور

"مضمون بالا کی بعض جزئیات اگرچہ تفصیل طلب یا غور طلب ہیں، مگر اصل مقصد کے لحاظ سے میں اِس پورے مضمون سے متفق ہوں"۔

مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی۔ متولّی جامع قدس اہل حدیث لاہور

مسلم فیملی لاز آرڈی ننس پر علماء کرام کا یہ تاریخی تبصرہ

اوّلاً ۱۹ مارچ ۱۹۶۱ء کو ہفت روزہ "شہاب" لاہور میں شائع ہوا تھا۔ بعد ازاں پاک میڈیسنز پاک گیٹ ملتان کے پروپرائٹر جناب غلام مصطفےٰ نے اسے کتابچے کی شکل میں ہمدرد پرنٹنگ پریس ملتان سے شائع کیا۔ آج سے چند سال قبل تنظیم اسلامی نے اس کتابچے کا ہوبہو عکس لے کر اسے شائع کیا اور بڑے پیمانے پر پھیلانے کا اہتمام کیا تھا۔ اور اب یہ بہتر کتابت و طباعت کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

نام نہاد "مسلم فیملی لاز" کا المیہ!

اور مسلمانانِ پاکستان کے لیے لمحۂ فکریہ

- انگریز نے ہندوستان پر اپنی دو سو سالہ حکومت کے دوران مسلمانوں کے عائلی قوانین میں دخل دینے کی جرأت نہیں کی۔
- بھارت میں ایک عدالتی فیصلے میں ذرا سے تجاوز پر مسلمانانِ بھارت نے ایسا شدید ایجی ٹیشن کیا کہ حکومتِ وقت کو یہ قانون بنانا پڑا کہ بھارت کی کوئی عدالت مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت نہیں کر سکتی۔
- لیکن پاکستان میں ایک فوجی آمر نے ۱۹۶۱ء میں منکرینِ حدیث کے زیرِ اثر ایک آرڈی ننس کے ذریعے وہ نام نہاد "مسلم فیملی لاز" نافذ کیے جن کی متعدد دفعات کو تمام مکاتبِ فکر اور جملہ مدارسِ فقہ کے حسبِ ذیل علماء و زعماء نے خلافِ شریعت قرار دیا:

● مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (جماعتِ اسلامی) ● مفتی جعفر حسین اور حافظ کفایت حسین (فقہ جعفریہ) ● حافظ عبداللہ روپڑی، حافظ عبدالقادر روپڑی، حافظ محمود احمد روپڑی اور مولانا عطاء اللہ حنیف (اہلحدیث) ● مفتی محمد حسن اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی (جامعہ اشرفیہ ـ دیوبندی) ● ابوالبرکات سید احمد قادری، ابن الحسنات خلیل احمد قادری اور سید محمود احمد رضوی (حزب الاحناف بریلوی) ● مولانا عبدالستار نیازی اور ابوالحسنیٰ امام خاں نوشہروی۔

(نوٹ: ان حضرات کا مفصل بیان ماہنامہ میثاق ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور کی جون کی اشاعت میں شائع کیا جا رہا ہے۔)

لیکن غلطی یہ ہوئی کہ اس سلسلے کی کوئی احتجاجی تحریک نہیں چلائی گئی بلکہ ان تمام حکمرانوں سے تعاون جاری رکھا گیا جنہوں نے ان قوانین کو برقرار رکھا

نتیجۃً یہ قوانین آج تک نافذ ہیں اور انہیں تحفظ دینے کا مسلسل اعلان کیا جا رہا ہے!

- دستورِ پاکستان میں غیر مسلموں کو بھی یہ ضمانت دی گئی ہے کہ ان کے پرسنل لا میں دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ تو کیا یہ ستم ظریفی کی انتہا نہیں ہے کہ ایک مسلمان مملکت میں خود مسلمانوں پر ان کے مسلّمہ فقہی احکام کے منافی قوانین جبراً مسلط کیے جا رہے ہیں۔
- ان قوانین سے جو پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں وہ ایک مثال سے بھی سمجھی جا سکتی ہیں کہ اگر کسی مسلمان عورت کو اس کا شوہر بیک وقت تین طلاقیں دیدے تو اہلِ سنت والجماعت کی چاروں فقہیں اس شوہر کو رجوع کا حق نہیں دیتیں اور عورت کو اختیار دیتی ہیں کہ عدت کے خاتمے پر دوسری شادی کر لے جبکہ ان قوانین کی رُو سے اس خاتون پر زنا کا مقدمہ قائم کیا جا سکتا ہے: فَاعْتَبِرُوا!
- جنرل ضیاء الحق مرحوم نے دس سال کی تاخیر کے بعد نفاذِ شریعت آرڈیننس کے ذریعے ان عائلی قوانین کو فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیار میں داخل کر دیا تھا مگر ان کی حادثاتی موت کے بعد وہ آرڈیننس بھی اپنی موت آپ مر گیا اور فیڈرل شریعت کورٹ کے ہاتھ بندھے کے بندھے رہ گئے۔

ہمارا مطالبہ ہے کہ دستور کی موعودہ ترمیم کے ذریعے فیڈرل شریعت کورٹ پر عائد جملہ پابندیاں ختم کر کے شریعت کے ساتھ کامل وفاداری کا ثبوت دیا جائے

تنظیمِ اسلامی پاکستان

امیر تنظیم

ڈاکٹر اسرار احمد

۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور (فون ۳۰۵۱۱۰) حلیۂ اشتہار منجانب ایک بندۂ خدا

تنظیم اسلامی کی جانب سے یہ اشتہار ۳ مئی کے اخبارات میں شائع کرایا گیا

فریضۂ حج :

حجّاج کرام کی خدمت میں چند گزارشات

عازمینِ حج کے ایک خصوصی اجتماع سے امیرِ تنظیمِ اسلامی کا خطاب

محترم حجّاج بیتُ اللہ العظیم اور مکرّم حاضرین

میں اسے اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں کہ ایسے حضرات سے مخاطب ہوں جو کہ عنقریب سفرِ حج کا آغاز کرنے والے ہیں، اگرچہ یہ سعادت مجھے بھی نصیب ہو چکی ہے لیکن یہ معاملہ وہ ہے کہ جب بھی موسمِ حج آتا ہے تو ہر صاحبِ ایمان کے دل میں ایک ہوک سی اُٹھتی ہے کہ کاش میں پھر وہاں حاضر ہوتا لیکن بعض انتظامی اُمور اور حکومتوں کی طرف سے عائد شدہ پابندیوں کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی۔ آپ میں سے بعض حضرات کے علم میں ہو گا کہ میری طبیعت ایک عرصہ سے ناساز چل رہی ہے۔ جس کی وجہ سے آجکل میں اپنے مستقل پروگرام کے علاوہ کسی دوسرے پروگرام کی دعوت قبول نہیں کر رہا ہوں۔ لیکن جب مجھے اس مُبارک اجتماع میں خطاب کرنے کی دعوت دی گئی تو انکار نہ کر سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے محسوس کیا کہ شائد آپ حضرات کی سعادتوں میں سے مجھے بھی کوئی حصّہ مِل جائے۔

جہاں تک حج کے احکامات کا تعلق ہے اس مختصر سے وقت میں اُن کا بیان ممکن نہیں ہے اور ویسے بھی آپ حضرات کو "پی آئی اے" کی جانب سے جو کتاب احکاماتِ حج سے متعلق ملی ہے اس میں اگرچہ بعض جزوی اغلاط موجود ہیں تاہم بحیثیت مجموعی وہ اس درجے جامع اور مفید ہے کہ پہلی دفعہ حج کرنے والے شخص کو بھی ان شاء اللہ کوئی دقّت باقی نہیں رہے گی۔

میں آج کی محفل میں آپ حضرات کی توجہ فلسفۂ حج، حکمتِ حج یا جو حج کی اصل رُوح ہے اسکی طرف دلاؤں گا۔ حج کی جو رُوحانی برکات ہیں اسکو صرف وہی حضرات محسوس کر سکتے ہیں جو اس کوچے سے واقف ہیں۔ دوسرے حضرات جنہوں نے اس کوچہ میں قدم نہیں رکھا وہ اس کو محسوس نہیں کر سکتے۔ حج کی عبادت خاص طور پر ایسی ہے کہ اس میں اکثر مناسک ایسے ہیں جن کی بظاہر کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی، اور وہاں جا کر انسان کو یہ تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ عقل کو ایک طرف رکھ کر صرف "اتباعِ رسولؐ" کرنا ہے۔ بغیر یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کی حکمت کیا ہے؟ اور غرض و غایت کیا ہے؟ ــ عام طور پر دین کے جتنے احکام ہیں ان کی حکمتیں بھی بتلائی گئی ہیں مثلاً نماز کی حکمت کے متعلق فرمایا گیا:۔
أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي یعنی نماز اللہ کی یاد کے لئے ہے، روزہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (البقرہ آیت ۱۸۳)
یعنی روزے کی حکمت و غرض و غایت "تقویٰ" ہے ــ لیکن حج کے ضمن میں کئی مناسک ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں ہم قطعاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی غرض و غایت کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ صرف ایک بات ہمارے سامنے رہے کہ محمد رسول اللہ نے ایسا کیا تھا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ چنانچہ آپ میں سے اکثر حضرات نے حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ سُنا ہوگا. جب کہ وہ حجرِ اسود کو بوسہ دیا کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ اے حجرِ اسود میں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے تیرے اندر کوئی الوہیت نہیں ہے۔ لیکن میں تجھے صرف اس وجہ سے بوسہ دے رہا ہوں کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا تھا۔ مناسکِ حج میں سے ایک رمیِ جمرات ہے جو کہ بہت مشکل کام ہے۔ اس کے بارے میں بھی کوئی قطعی بات ہمارے پاس نہیں ہے کہ یہ کس بات کی علامت ہے۔ ویسے اس کو شیطان تو کہتے ہیں لیکن یہ کہ شیطان کا کونسا واقعہ اس کے ساتھ ہے۔ بعض روایات تو موجود ہیں مگر وہ روایات مرفوعہ نہیں ہیں۔ یعنی ایسی کوئی بات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہو اور اس سے معلوم ہو سکے کہ اس کی غرض و غایت کیا ہے، ذخیرۂ احادیث میں ہمیں نہیں ملتی۔ یہاں پر بھی صرف اتباعِ نبویؐ ہی کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

جن حضرات کو رُوحانی کیفیات و واردات میں سے کچھ حصّہ ملا ہے وہاں ان کو

کیا کچھ حاصل ہوتا ہے تو وہی بتلا سکتے ہیں ۔ لیکن اس سے ذرا کمتر سطح پر آ کر میں عرض کروں گا کہ حج کا یہ پورا نظام اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک شخصیت کی یاد پر مشتمل ہے اور وہ شخصیت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ۔ جن کی کہ تین نسبتیں ہیں اور وہ تینوں ہی بہت عظیم ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ان کی نسبت اللہ کی طرف ہے : وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ ”اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست قرار دیا“ یعنی خلیل بنا لیا ۔ دوسری طرف ان کی نسبت نوعِ انسانی کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ : اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط یعنی اے ابراہیم میں تمہیں نوعِ انسانی کا امام بنانے والا ہوں ۔ اور ان کی تیسری نسبت آپ میں سے اکثر حضرات کو معلوم ہو گی یعنی یہ کہ اُنؑ کی نسل میں بے شمار نبی آئے یہاں تک کہ نبی آخر الزّمان بھی آپؑ ہی کی ذریّت میں سے ہیں ۔ اس طرح آپ ابو الانبیاء ہیں، خلیل اللہ ہیں، اور امام الناس ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ معمارِ حرم بھی ہیں ۔ اس حرم کے جس کی زیارت کی نیت سے آپ حضرات جا رہے ہیں جس کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے : ۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِىْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ

”اور یاد کرو جب کہ ہم نے ابراہیم کے لئے وہ جگہ معیّن کر دی جو ہمارے گھر کی جگہ تھی کہ ہمارے اس گھر کی تعمیر بھی کرو اور اس کو پاک صاف بھی رکھو طواف کرنے والوں کے لئے، قیام کرنے والوں کے لئے، رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے، اور لوگوں کو بلاؤ حج کے لئے تم دیکھو گے کہ وہ چلے آئیں گے اس گھر کی طرف پیدل بھی اور دُبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی بڑے دُور دراز راستوں سے اور بڑی گہری وادیاں عبور کر کے تاکہ وہ پہنچیں ان جگہوں پر جہاں ان کے لئے نفع ہے“ یعنی اپنے نفع کے مقامات پر موجود ہوں تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کیا کیا نفع کی

چیزیں رکھی ہیں ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معمار قرار دیا گیا ہے بیت اللہ کا ۔ اگرچہ اس میں ایک اختلاف ہے کہ معمارِ اوّل کون ہیں ۔ میرے نزدیک یہ رائے زیادہ قوی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ معمارِ ثانی ہیں ۔ معمارِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام ہیں ۔ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ — یعنی روئے ارضی پر اللہ کی عبادت کے لئے جو سب سے پہلا گھر بنایا گیا وہ مکہ میں ہے ۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان کم از کم چار پانچ ہزار سال کا فصل ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دوران میں نوع انسانی نے کوئی گھر خدا کی عبادت کے لئے تعمیر نہ کیا ہو ۔ اسی لئے میری قوی رائے یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے معمارِ اوّل حضرت آدمؑ ہیں ۔ امتدادِ زمانہ اور سیلاب و طوفان کی وجہ سے یہ منہدم ہو گیا تھا پھر اس کی دوبارہ تعمیر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں کروائی اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے ۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ — جبکہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں باپ بیٹے اس گھر کی دیواروں کو اٹھا رہے تھے ۔

یعنی جہاں تک اس کی بنیادوں کا تعلق ہے وہ موجود تھیں اور انہی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر کا فریضہ انجام دیا ہے ان باپ بیٹا دونوں نے ۔

حج کے اکثر مناسک کا تعلق ہے حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اور ان کے واقعات سے اگر آپ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی پوری کی پوری زندگی آزمائشوں اور امتحانوں کا مجموعہ ہے ۔ سورہ بقرہ آیت ۱۲۴ میں ارشاد ہوتا ہے : وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ؕ "اور یاد کرو جب ابراہیمؑ کا امتحان لیا اس کے رب نے بہت سی باتوں میں اور اس نے ان سب کو پورا کر دکھایا"۔ اور تمام امتحانات میں ثابت قدم رہے ۔ ان کی سب سے پہلی آزمائش ان کی فکر اور عقلِ سلیم کی آزمائش ہے ۔ وہ ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولتے ہیں کہ جس کے چاروں طرف کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے ہیں ، بتوں کو پوجا جا رہا ہے ۔ اجرامِ سماویہ سورج،

چاند اور ستاروں کو پوجا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بادشاہِ وقت نمرود خود معبود ہونے کا مدّعی ہے۔ گویا اس معاشرہ میں تین طرح کے شرک موجود تھے، جس میں اس نوجوان نے آنکھ کھولی ہے۔ لیکن یہ ان کی سلامتیٔ طبع اور فطرتِ سلیمہ کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں انہوں نے توحید کی روشنی کو دیکھا اور اسکی طرف ہی اپنا رُخ کر لیا اور ان کے دل کی گہرائیوں سے ابھر کر یہ نعرۂ توحید ان کی زبان پر آتا ہے: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ کہ میں ان تمام سے اپنا تعلق منقطع کرتا ہوں۔ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ انہوں نے کہا کہ میں اس چیز سے بری اور بیزار ہوں جو تم سب کرتے ہو، میں تو صرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی پرستش کروں گا۔ ان کے اس نعرۂ مستانہ کے ساتھ ہی ان پر امتحانات آنے شروع ہو گئے۔ والد نے انتہائی ترش لہجے میں کہا: قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ○ "اے ابراہیمؑ! کیا تم میرے معبودوں سے روگردانی کر رہے ہو"۔ ہماری قومی و نسلی روایات ان سب کو اپنے پاؤں تلے روند دینا چاہتے ہو۔ "اگر تم باز نہیں آؤ گے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا"۔ یہ تو خیر بعد کی بات ہے "سو تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جاؤ" "اور فوراً میرے گھر سے نکل جاؤ"، اپنے والد کی یہ تلخ اور کڑوی بات سننے کے بعد بڑے حلم اور وقار کے ساتھ یہ کہتے ہوئے: قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ○ ٹھیک ہے کہ میں آپ کے گھر سے رخصت ہو رہا ہوں۔ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰٓی اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ○ "میں تم سب سے ترک تعلق کرتا ہوں اور صرف اللہ کو پکارونگا اور مجھے یقین ہے کہ میرا اللہ مجھے ناکام و نامراد نہیں کرے گا"۔ یہ کہہ کر وہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے دوسرا امتحان یہ ہوا کہ قوم نے آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

جب اس موحّد کو قوم نے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم فرمایا:

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ہ اللہ کے حکم سے یہ آگ گل و گلزار بن گئی اور آپ اس امتحان میں بھی سرخرو ہو گئے۔ پھر آپ نے اپنے وطن کو خیر باد کہی : اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ "میں تو اب اللہ کی راہ میں ہجرت کر رہا ہوں"۔ اس کے بعد وہ کبھی شام میں رہے کبھی مصر میں رہے کبھی حجاز میں گئے، گویا پوری زندگی صحرا نوردی میں گزری کسی بھی جگہ ٹک کر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ آپ نے ہر جگہ توحید کے مراکز قائم کئے حضرت لوطؑ کو شرق اُردن میں مامور کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی عمر شریف جب ستاسی برس کی ہوئی تو محسوس ہوا کہ اب میرے قویٰ مضمحل ہو رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہی دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میرے بعد ان توحید کے مراکز کا اور میری دعوت کا وارث کون ہو گا۔ تب آپ نے یہ دُعا کی: رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ "اے میرے رب مجھے ساتھی عطا فرما جو صالحین یعنی نیکو کاروں میں سے ہو"۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً دُعا قبول فرمائی اور حضرت اسماعیلؑ جیسا فرزند عطا فرمایا۔

جیسے کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی امتحانات کا مجموعہ ہے۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لئے دُعائیں مانگیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ستاسی برس کی عمر میں ایک فرزند عطا فرمایا۔ ابھی وہ فرزند شیر خوار ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اس شیر خوار بچے اور اس کی ماں کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ آؤ۔ ذرا تصور کیجئے کہ جہاں آج سے چار پانچ ہزار سال قبل آبادی نام کی کوئی چیز بھی وہاں نہ تھی اور نہ درخت وغیرہ تھے۔ یہ موحّدِ اعظم اللہ کے حکم کی فرمانبرداری میں ان دونوں کو وہاں چھوڑ کر فوراً واپس چل پڑتے ہیں۔ ایسے موقع پر حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا پکارتی ہیں آپ ہمیں اس جنگل بیابان میں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں فرمایا۔ "اللہ کے حکم سے"۔ آگے کے واقعات آپ حضرات کو معلوم ہیں کہ جب کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے پاس باقی نہ رہی اور حضرت اسماعیلؑ پیاس سے بیتاب ہوئے، اس وقت حضرت ہاجرہ نے جو دوڑ لگائی ہے ان دو پہاڑیوں (یعنی صفا و مروہ) کے درمیان (اب تو صرف ان کی علامتیں رہ گئی ہیں۔ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان آپ کو عمدہ ماربل کا فرش ملے گا جس پہ کہ آپ چلیں گے)، پانی کی تلاش میں کہ کبھی اس پہاڑی

پر چڑھ جاتی ہیں تو کبھی اُس پہاڑی پہ کہ کوئی انسان نظر آئے تو اس کو مدد کے لئے پکاریں۔ اس طرح وہ سات چکر لگاتی ہیں۔ حضرت ہاجرہ ابھی تلاش ہی میں ادھر اُدھر دوڑ رہی تھیں کہ وہ دیکھتی ہیں کہ جہاں حضرت اسماعیلؑ ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں پانی کا ایک چشمہ جاری ہوگیا ہے۔ یہ وہی زم زم ہے کہ جس کو پینے کی سعادت آپ وہاں جا کر حاصل کریں گے۔ یہ سعی صفا اور مروہ کے درمیان حضرت ابراہیمؑ کے اس امتحان کی یادگار ہے۔ یہ چیزیں میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ ہماری زندگی میں بھی قدم قدم پر امتحانات ہیں۔ ہماری زندگی گیا ہے ؟ اس کے متعلق سورۃ الملک میں فرمایا گیا: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط ہمیں بھی زندگی کے ہر موڑ پر دوراہا ملتا ہے کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے۔ اب ہمارے معاشرہ کا یہ حال ہوگیا ہے کہ اس امتحانات میں اچھے اچھے لوگ ناکام ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم حج پر جا کر حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے ان واقعات کی صرف یاد منالیں تو اس سے کوئی حقیقی فائدہ نہیں ہوگا۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ ہمیں ان کی زندگی سے رہنمائی حاصل کرنی ہے۔

حضرت اسماعیلؑ قریبًا تیرہ برس کے ہوگئے ہیں بوڑھا باپ اپنے جواں ہوتے ہوئے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر جی رہا ہے کہ اس وقت دل کو چھید جانے والے امتحان کا حکم ہوتا ہے کہ اپنے اس لختِ جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کردو۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں اس واقعہ کی تصویر کشی اس انداز سے کی گئی ہے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ "اور جب وہ (ابراہیم کے ساتھ) بھاگ دوڑ کے قابل ہوتے" تب ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ میں اسماعیلؑ کو ذبح کر رہا ہوں، ایک دن خواب دیکھا پریشان ہوئے پھر دوسرے دن تیسرے دن یہی خواب دیکھا اس لئے قرآن مجید میں آیا ہے: یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ط "میں خواب میں متواتر یہ دیکھ رہا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ تم اب ذرا سوچو اور غور و فکر کر کے بتلاؤ کہ تمہاری رائے کیا ہے"۔ حضرت اسماعیلؑ کے جواب کو اللہ تعالیٰ نے ابدالآباد تک کے لئے محفوظ کر دیا انہوں نے فرمایا: قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ o "ابا جان کر گزریئے جس کا آپ کو حکم ہو رہا ہے۔ ان شاءَ

اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے" آگے ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝ "جب باپ بیٹے دونوں نے سرِتسلیم خم کردیا اور باپ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا" یہاں یہ بات بڑی قابلِ غور ہے کہ ذبح کرتے وقت تو چہرے کو سامنے کیا جاتا ہے تاکہ گردن کا نرم حصہ سامنے رہے لیکن حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو جو الٹا لٹایا اس میں حکمت یہ تھی کہ بیٹے کی نگاہ سامنے نہ رہے اور ایسا نہ ہو کہ شفقتِ پدری کہیں جوش میں آجائے اور ہاتھ میں قوت نہ رہے اور اطاعتِ خداوندی میں لغزش آجائے۔ ابھی وہ اپنے نورِ نظر کی گردن پر چھری پھیرنے والے ہی تھے کہ: وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ج "پھر ہم نے پکارا اور کہا کہ اے ابراہیمؑ! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا" اس سے آگے فرمایا: وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝ یہ وہ ذبحِ عظیم ہے جس کی یاد ہم ہر سال مناتے ہیں اور اب تو یہ صرف ایک رسم بن کر رہ گئی ہے! اگر ہم اپنے جذبات کو اللہ کے حکم کے آگے قربان نہ کرسکے، اپنے معاملات کو اللہ کے احکامات کے تابع نہ کرسکے اس طرح ہم اپنی دنیاوی خواہشات کو آخرت کے مقابلہ میں قربان نہ کرسکے تو پھر اس کے کوئی معنی نہیں ہے۔ بقول اقبال مرحوم:

رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالیؒ نہ رہی

جیسے کہ ہم نے نماز کو ایک رسم بنالیا ہے، اسی طرح روزہ کو بھی رسم بنالیا ہے، کیونکہ روزہ کی جو اصل غرض وغایت ہے وہ تو ہماری آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے۔ ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنا نہیں چھوڑتا اور اسی طرح جھوٹ پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ کو کوئی احتیاج نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے ایسے شخص نے روزہ نہیں رکھا بلکہ اس نے فاقہ کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جبکہ ایک اندازہ کے مطابق سوا لاکھ صحابہ کرامؓ کا اجتماع تھا۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے مسلمانو! اب دین کی ذمہ داری تمہارے کندھوں پر آگئی ہے۔ میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔ اب تمہیں یہ پیغام سارے عالم میں پہنچانا ہے۔ میں نے اللہ کے دین کو جزیرہ نمائے عرب میں غالب کر دیا ہے اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس کو پورے کرۂ ارضی پر غالب کر دو۔ تو آپ حضرات

کو معلوم ہے کہ اس سوا لاکھ کی تعداد نے چوبیس برس کی قلیل مدت میں بحر الکاہل کے ساحل سے لے کر افریقہ کے مغربی ساحل تک اور افریقہ کے مغربی ساحل سے لے کر مکران کے علاقے تک اور افغانستان سے روسی ترکستان تک کے علاقے فتح کئے۔ اور یہاں پر اللہ کے دین کو نافذ کر دیا۔ ان حضرات نے قربانیاں دیں، محنتیں کیں، اللہ کے دین کے لئے اپنی جان، مال اور اولاد کو لگا دیا۔ جس کے نتیجہ میں اللہ کا دین غالب ہوا۔ آج ہمارے حج کے موقع پر تیس تیس لاکھ کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا دنیا میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ——— لوگ جیسے جاتے ہیں ویسے ہی واپس آتے ہیں، حج کا ہماری سیرت و کردار پہ کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو ہم نے صرف رسم بنا لیا ہے۔ اس کی اصل غرض و غایت نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے۔ آپ حضرات ایک کثیر رقم خرچ کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ سفر کی مشقتیں جھیلیں گے اپنے گھر کی آسائشوں کو چھوڑیں گے۔ سفر کے متعلق حضورؐ نے فرمایا: السفر قطعة من العذاب۔ لیکن سفرِ حج کے موقع پر یہ تکالیف اور بھی زائد ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کا اژدحام ہوتا ہے ہر شخص کو اپنی پڑی ہوتی ہے اس لئے بعض دفعہ جھگڑے بھی ہو جاتے ہیں، بدگمانیاں بھی ہوتی ہیں، بدقسمتی سے آج سے پہلے ہمارے یہاں کوئی نظم نہیں تھا اب تو پھر بھی گروپ کی شکل میں جاتے ہیں۔ کسی کو لیڈر بناتے ہیں۔ جب یہ شکل نہ تھی تو جھگڑے ہی جھگڑے تھے۔ اکثر و بیشتر یہ ہوتا تھا کہ دو انتہائی قریبی دوست بڑے ذوق و شوق کے ساتھ حج کے لئے جاتے تھے مگر واپسی پر ان کے دل پھٹے ہوئے ہوتے تھے اور وہ ایک دوسرے سے بدظن ہو جاتے تھے۔ یہ ہمارا اپنا مشاہدہ رہا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جو مقصد تھا وہ سامنے نہ رہا۔ اور جب مقصد سامنے نہ ہوگا تو پھر کئی مواقع ایسے آئیں گے کہ جھگڑے خود بخود کھڑے ہو جائیں گے۔ مثلاً بس میں سفر ہے جو شخص کھڑکی کے ساتھ بیٹھے گا اس کو زیادہ آرام ملے گا اس کی نسبت سے جو درمیان میں بیٹھے گا۔ اب اس بات پہ دل میں میل آ جائے گا کہ کون کھڑکی کے ساتھ بیٹھا ہے۔ بعینہ یہی بات سامنے آتی ہے جو کہ حالی نے کہی تھی ؂

کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا

تو یہ چیزیں یہاں بہت نمایاں ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آج جو پہلی آیت پڑھی ہے

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط ان باتوں سے حج میں اجتناب کرنا ہے ۔ پہلے سے آپ حضرات اس بات کا عزمِ مصمم کرلیں کہ کسی قسم کا آپس میں جھگڑا نہیں کریں گے - اپنا حق دوسروں کو دیں گے اور اپنے حق کے لئے کبھی دوسرے سے نہیں لڑیں گے. اب تو آپ حضرات ماشاء اللہ ایک امیر کی امارت میں سفر کریں گے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو شخص بھی سفر میں نکلیں تو ان میں سے ایک کو امیر بنالیں - امیر کا مطلب ہوتا ہے "صاحبِ امر"- امیر کو مشورہ تو دیا جاسکتا ہے لیکن اس پر کوئی مشورہ ٹھونسا نہیں جا سکتا ، آپ اپنا مشورہ اپنی رائے دیدیں اس کے بعد آپ فارغ ہیں - اب امیر کا کام ہے کہ جو چاہے فیصلہ کرے - اس کے فیصلے پر اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کیجئے بلکہ یہ سوچئے کہ اس کو تو میں نے اپنا امیر مانا ہے اس کا ہر فیصلہ خوش دلی سے قبول کرنا ہے - اگر امیر کوئی کوتاہی کریگا ناانصافی کرے گا تو اللہ کے یہاں وہ جواب دہ ہوگا - اگر ہم خواہ مخواہ اس کے ساتھ جھگڑیں گے تو جو ہم نے معاہدہ کیا ہے اس کی خلاف ورزی کریں گے - اس سفر میں جو بھی رُوحانی و اخلاقی ترقی ہو اُس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں —

اب میں آپ حضرات کو ایک اہم بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس کی آپ شدت سے پابندی کریں - الحج کے احکامات کے متعلق فرمایا : فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ایک تو یہ کہ حج میں مرد اور عورتیں گڈمڈ ہوجاتی ہیں - طواف اور رمی جمرات میں مرد اور عورتوں کی علیحدگی کا معاملہ نہیں ہوسکتا - یہاں بے پناہ ہجوم ہوتا ہے اور یہی وہ مواقع ہوتے ہیں جب کہ شیطان کو انسان کے اندر شہوت کا جذبہ ابھارنے کا موقع ملتا ہے اس سے امکانی حد تک اپنے آپ کو بچانا ہے اپنی نگاہوں کو نیچے رکھنا ہے - ظاہر بات ہے کہ عورتیں احرام میں ہونگی جس کی وجہ سے ان کے چہرے کھلے ہوں گے - اس لئے امتحان کڑا ہوجاتا ہے اس لئے فرمایا - فَلَا رَفَثَ کوئی شہوت کی بات نہ کریں کہ جس سے جنسی تحریک پیدا ہو - حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر کھڑے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ ایک نوجوان صحابی بھی تھے - کچھ خواتین کا ادھر سے گذر ہوا جو کہ احرام میں تھیں - ان کے چہرے کھلے ہوتے تھے - ان صحابی کی نگاہ ایک خاتون کے چہرہ پر جم گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کے چہرے کو پھیر

دیا۔ اور فرمایا کہ پہلی مرتبہ اتفاقاً نگاہ پڑ جائے تو مواخذہ نہیں۔ مگر نامحرم کو بلا ارادہ دیکھنا جائز نہیں۔ آپ حضرات اس بات کی طرف خاص خیال رکھیں۔ کہ کسی نامحرم کی طرف نہ دیکھیں۔ دوسرے آپ اس بات کا بھی عزم کرلیں کہ وہاں کسی سے بھی نہیں جھگڑیں گے۔ اپنی مرضی یا مزاج کے خلاف اگر کوئی بات دیکھیں تو اس سے درگزر کریں اور اپنے آپ پر قابو رکھیں۔ تیسرے یہ کہ آپ جہاں جارہے ہیں۔ وہاں کافی مارکیٹیں ہیں اور چونکہ وہاں کسٹم وغیرہ نہیں ہے جس کی وجہ سے چیزیں سستی مل جاتی ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر حضرات مارکیٹوں میں چیزوں کی بھاؤ وغیرہ معلوم کرتے رہتے ہیں اور پھر آپس میں بھی بیٹھ کر اسی پر تبادلہ خیال کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وقت کا ایک بہت بڑا حصہ اس کام میں ضائع ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور بعض عبادتیں تو ایسی ہیں جو کہ صرف اور صرف اسی جگہ کے ساتھ خاص ہیں اور وہ دُنیا کے کسی اور گوشے میں ادا نہیں ہو سکتیں مثلاً طواف ہے یہ صرف اس گھر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہاں کی سب سے افضل عبادت بھی یہی ہے۔ اس لئے آپ کو چاہیے کہ جتنے طواف بھی کر سکیں کریں۔ اگر تھک جائیں تو بیٹھ کر خانہ کعبہ کو محبت تعظیم اور احترام سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔

یہاں میں آپ کو اپنا ایک تاثر بھی بیان کر دوں گا کہ جب میں پہلی مرتبہ ۶۳ء میں حج پر گیا تھا تو جب میں نے مسجد حرام کا باہر کا نقشہ دیکھا کہ ساری کی ساری دیواریں سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں تو مجھ پر اچھا اثر نہیں پڑا۔ میں آپ کو سچ سچ بتاؤں کہ الٹا ردعمل ہوا۔ میں نے کہا کسی وال سٹریٹ کا بہت بڑا بنک بھی اس عمارت سے اچھا بنا ہوا نہیں ہو گا۔ لیکن اندر جا کر جب اس گھر پر نظر پڑی جس کی سادگی آج بھی وہی ہے جو کہ آج سے چودہ سو برس پہلے تھی۔ وہی ایک سیاہ کپڑا اس کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ اس میں کہیں کوئی سنگ مرمر نہیں۔ اس گھر پر نظر پڑتے ہی انسان کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ خانہ کعبہ کو دیکھنے کے وقت کی ایک خاص دُعا ہے آپ حضرات اس کو یاد کریں۔ آپ کی زبان پر اس وقت اس دُعا کا آجانا ہی درحقیقت یہ سب سے پہلی برکت ہوگی جو آپ کو حاصل ہوگی۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ سعودی عرب کی حکومت اس حکم کی بڑی احسن طریقے سے تعمیل کر رہی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو دیا تھا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ کہ میرے گھر کو پاک وصاف رکھ۔ پاک وصاف رکھنے میں ایک اس کی باطنی پاکی ہے۔ کہ

شرک سے آلودہ نہ ہونے دیا جائے اور ایک اس کی ظاہری پاکی اور صفائی ہے کہ وہاں گندگی نہ ہو اور صفائی ستھرائی کا پورا پورا اہتمام ہو تاکہ کوئی شخص جائے تو اس کی طبیعت میں انقباض نہ ہو۔

اس بیت اللہ کے اندر جو روحانی عظمت ہے اس کا اصل ادراک تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جنکی باطنی آنکھیں کھلی ہوں لیکن کچھ نہ کچھ ہمیں اپنی آنکھوں سے بھی نظر آتا ہے کہ اس میں کوئی شے ہے جو کہ ہمیں کھینچتی ہے۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ ہم اس کو الفاظ میں بیان نہ کر سکیں کہ وہ کیا چیز ہے۔

مناسکِ حج میں سے جہاں تک طوافِ بیت اللہ کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ وہ تو صرف مکہ مکرمہ ہی میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ البتہ قربانی کو عید الاضحیٰ کی صورت میں روئے زمین کے ان تمام لوگوں کے لئے عام کر دیا گیا جو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کر کے گویا ابراہیمؑ ہی کی معنوی ذرّیت میں شامل ہو گئے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ ان کا کوئی صُلبی و نسلی تعلق ان سے ہے یا نہیں۔ چنانچہ ایک روایت کی رو سے جسے زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد ابن حنبل اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے اپنی اپنی مسند میں نقل کیا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ "یا رسول اللہ! ان قربانیوں کی نوعیت کیا ہے؟" تو جواباً آپؐ نے ارشاد فرمایا "یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سُنّت ہے!" — گویا بھیڑوں، بکریوں، گایوں اور اونٹوں کی قربانی اصلاً علامت کی حیثیت رکھتی ہے اطاعت و فرمانبرداری اور تسلیم و انقیاد اور اس پر مداومت و استقامت کی اس روح کے لئے جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری شخصیت میں رچی بسی ہوئی تھی اور ان کی پوری زندگی میں جاری و ساری رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں متذکرہ بالا آیات کے متصلاً بعد ہی متنبہ فرما دیا گیا تھا کہ:۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا	اللہ تک نہیں پہنچتا ان قربانیوں کا گوشت
دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ	یا خون، ہاں اس تک رسائی ہے
التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج: ۳۷)	تمہارے تقویٰ کی۔

یہ دوسری بات ہے کہ جس طرح ہم نے دین کے دوسرے تمام حقائق کو محض رسموں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے جس کا مرثیہ کہا ہے علامہ اقبالؒ نے اس شعر میں کہ ؎

رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

اسی طرح قربانی کی رُوح بھی آج نام نہاد مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کے عمل ہی سے نہیں وہم وخیال سے بھی غائب ہو چکی ہے اور اب اس کی حیثیت بعض کے نزدیک محض ایک رسم کی ہے اور اکثر کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر صرف ایک قومی تہوار کی۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہر سال پندرہ لاکھ سے بھی زائد کلمہ گو حج کرتے ہیں اور بلا مبالغہ کروڑوں کی تعداد میں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے لیکن وہ رُوحِ تقویٰ کہیں نظر نہیں آتی جس کی رسائی اللہ تک ہے! بقول علّامہ اقبال مرحوم

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے　　وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج　　یہ سب باقی ہیں، تُو باقی نہیں ہے

کاش کہ ہم جرأت کے ساتھ موجودہ صورتِ حال کا صحیح تجزیہ کر سکیں اور اصل روحِ قربانی کو اپنی شخصیتوں میں جذب کرنے پر کمر ہمت کس لیں، اور عید قرباں پر جب اللہ کے لئے ایک بکرا یا دنبہ ذبح کریں تو ساتھ ہی عزم مصمّم کر لیں کہ اپنا تن، من، دھن اللہ تعالیٰ کی رضا پر قربان کر دیں گے ــ گویا بقول شاعر ؎

"میرا سب کچھ میرے خدا کا ہے"

اور بلحوائے الفاظِ قرآنی:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝
لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

حجۃ الوداع کے موقع پر سوا لاکھ افراد کا اتنا نتیجہ خیز اجتماع ہوا کہ چوبیس برس کے اندر اندر دنیا میں انقلاب آ گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات بھی حج سے واپسی پر اپنی ذمہ داریوں کا شعور حاصل کر کے آئیں۔ صحابہ کرامؓ کو یہ احساس شدت سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذمہ داری اپنے شانوں سے اُتار کر اب ہمارے کندھوں پر رکھ دی ہے۔ میں آپ حضرات کو وہ پورا نقشہ بتانا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے اندر بھی کوئی احساس پیدا ہو۔ حجۃ الوداع میں جب حضورؐ نے اپنا خطبہ ختم کر لیا تو آخر میں ایک سوال کیا۔ هَلْ بَلَّغْتُ؟ لوگو! کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے کہ نہیں؟ تو پورے مجمع نے ایک زبان ہو کر جواب دیا ہاں حضورؐ ہم گواہ ہیں کہ آپ نے حق تبلیغ ادا کر دیا، حق

نصیحت ادا کر دیا، حقِ امانت ادا کر دیا۔ تین مرتبہ حضورؐ نے یہی سوال کیا اور تینوں مرتبہ مجمع نے یہی جواب دیا۔ پھر روایات میں آتا ہے حضورؐ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور بارگاہِ خداوندی میں تین مرتبہ عرض کی: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ کہ اے اللہ تو بھی گواہ رہ کہ آج وہ بارِ گراں میرے کندھوں سے اتر کر ان کے کندھوں پر آ گیا ہے۔ یہ مان رہے ہیں کہ میں نے پہنچا دیا۔ یہ مان رہے ہیں کہ میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا ہے۔ آخری جملہ جو آپؐ نے فرمایا وہ وہ ہے جو کہ ہر صحابی نے اپنے پلے باندھ لیا وہ یہ تھا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ "اب لازم ہے ہر اس شخص پر جو کہ یہاں موجود ہے کہ پہنچائے یہ پیغام ان سب کو جو کہ یہاں موجود نہیں ہیں"۔ اس لئے کہ میں صرف تمہاری طرف رسول بن کر نہیں آیا بلکہ میں تو پورے کرۂ ارضی کے لئے رسول بن کر آیا ہوں۔

________ اے محمدؐ! ہم نے نہیں بھیجا آپؐ کو مگر پوری نوعِ انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنا کر۔ لیکن میں نے تو ابھی تم تک پہنچایا ہے — (ظاہر بات ہے کہ ابھی ہندوستان تک حضورؐ کا پیغام نہیں آیا تھا۔ اسی طرح روس اور سائبیریا کے لوگوں تک پیغام نہیں پہنچا تھا۔ یورپ اور افریقہ کے لوگوں پر بھی ابھی تک اتمامِ حجت نہیں ہوا تھا — حضورؐ نے تو ابھی صرف چند بادشاہوں کے نام خطوط ارسال فرمائے تھے) — اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس پیغام کو نوعِ انسانی کے ہر ہر فرد تک پہنچاؤ۔ خدا کرے کہ آپ میں سے ہر شخص کو احساسِ ذمہ داری عطا فرمائے۔

آپ حضرات سفرِ حج پر روانہ ہونے والے ہیں۔ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حجِ مبرور کی توفیق عطا فرمائیں۔ حجِ مبرور وہ حج ہے کہ جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین اعمال ایسے ہیں کہ جن سے سابقہ زندگی کے تمام گناہ صاف ہو جاتے ہیں پہلا عمل کفر سے اسلام میں داخل ہونا ہے۔ یعنی پہلے کافر تھا اب مسلمان ہو گیا اس سے سابقہ زندگی کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسرا عمل اللہ کے لئے ہجرت ہے۔ یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے گھر بار، وطن اور اہل و عیال کو چھوڑ دینا۔ صحابہ کرامؓ نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنے گھر بار، اہل و عیال کو مکہ کے درندہ صفت انسانوں کے حوالہ کر کے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے، اور انہیں بخوبی علم تھا کہ مکہ والے ان کے بیوی بچوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے — آخر وہی ہوا کہ مکہ والوں نے ان کے مال و اسباب اور

گھروں کو لوٹ لیا۔ تیسرا عمل جس سے کہ زندگی کے سابقہ گناہ سب معاف ہو جاتے ہیں وہ حج مبرور ہے یعنی وہ حج جو کہ اللہ کے یہاں قبول ہو جائے۔ اس حج مبرور میں شرط یہ ہے کہ آپ کی نیت درست ہو۔ اس میں ریاکاری نہ ہو۔ سفرِ حج اور دوسری ضروریات میں جو روپیہ خرچ کر رہا ہو وہ جائز ذرائع سے کمایا گیا ہو۔ اور آئندہ کے لئے عزم مصمّم کریں کہ آپ کی کمائی میں کبھی کوئی حرام پیسہ شامل نہ ہوگا اور اپنے پہلے کے اعمال پر اللہ سے توبہ کریں اور اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں۔ آپ توبہ اس طرح کریں کہ اپنے پچھلے گناہوں پر نادم ہوں اور آئندہ کے لئے پکا ارادہ کریں کہ کوئی گناہ نہیں کروں گا تو اللہ تعالیٰ آپ کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ لوگوں کے جو حقوق غصب کئے ہیں ان کو ان کا حق لوٹا دیں، اور جن جن کے حق آپ کے ذمّہ میں ہوں ان کو ادا کر دیں۔ بہنوں کی اگر میراث وصول کو لی ہے تو اس کو واپس کرنے کی فکر کریں۔ اور آخری شرط میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں وہ یہ کہ: فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ یہ پورا سفرِ حج آپ کا اس شان سے گزرے کہ اس میں کوئی معصیت یا گناہ نہ کیا ہو۔ کسی سے جھگڑا نہ کیا ہو۔ کسی کی دل آزاری نہ کی ہو۔ کسی سے تلخ کلامی نہ کی ہو۔ اپنے حقوق کی دست برداری کے لئے تیار ہوں۔ اور دوسروں کو آرام پہنچانے کے لیے تیار رہیں۔ ارکان حج میں سے آپ جس رکن کو بھی ادا کر رہے ہوں پورے ادب و احترام سے کریں اور معلّمین وغیرہ کے رویّہ سے بددل نہ ہوں۔ وہ لوگ تو کاروباری حضرات ہیں اور جو کچھ کاروباری حضرات میں ہوتا ہے وہ سب کچھ ہوتا ہے اس لئے ان کے افعال و اعمال سے صرفِ نظر کریں۔

آپ کی زندگیوں میں ایک انقلاب بپا ہوگا اور ہر ایک اللہ کے دین کا سپاہی بن جائے گا۔ اور ہر ایک یہ سمجھے گا کہ یہ دین میرے پاس ایک امانت ہے، اور اسے تمام انسانوں تک پہنچانا میری ذمّہ داری ہے۔ آپ کی زندگی کی بھاگ دوڑ بدل جائیگی۔

آخر میں میں ایک اور اہم بات کی طرف اشارہ کر دوں کہ اصل میں حج نام ہے "وقوفِ عرفہ" کا۔ اگر حج کے ارکان میں سے کوئی رکن رہ جائے تو اس کی تلافی کفارہ وغیرہ سے پوری کر دی جا سکتی ہے مگر جس کا "وقوفِ عرفہ" رہ گیا اس کا حج نہیں ہوا۔ "وقوفِ عرفہ" زوال کے بعد سے شروع ہو کر غروبِ آفتاب کے بعد تک ہے، اور اس دوران میں تین نمازیں ظہر، عصر، مغرب آتی ہیں۔ لیکن ظہر اور عصر کی نماز میدان عرفات سے باہر کسی

مسجد میں پڑھ کر میدان عرفات میں داخل ہوتے تھے۔ اسی طرح مغرب کی نماز بھی یہاں نہیں پڑھ سکتے بلکہ مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر مزدلفہ میں پڑھیں گے وقوفِ عرفہ کی اصل عبادت دُعا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ کتابیں کھول کھول کر دُعائیں پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ دُعا مانگنا تو نہ ہوا بلکہ دُعا کی تلاوت ہو گئی۔ دُعا کی حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اپنے دل کی گہرائیوں سے اللہ سے ہمکلام ہو کر کچھ مانگ رہے ہوں۔ تو جو دُعائیں آپ کو یاد ہوں وہ پڑھیں۔ ایک دُعا جو کہ آپ میں سے ہر ایک کو یاد بھی ہو گی وہ آپ کو طواف کے ہر چکر میں رکنِ یمانی سے لے کر حجرِ اسود تک کے درمیان میں مانگنی ہے وہ ایک جامع دُعا ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اس کے علاوہ آپ جو چاہیں دُعا مانگیں۔ اور یہ سارا وقت دُعائیں مانگنے کے لئے ہے۔ اگر خدانخواستہ کیفیت ایسی ہو جائے کہ سب کچھ مانگ بیٹھا۔ اب کیا مانگوں اور سمجھ میں نہیں آ رہا تو تلاوتِ قرآن مجید شروع کر دیں۔ اور یہ سارا وقت اسی میں گزاریں۔

آخر میں آپ سے گذارش ہے کہ میرے لئے ہر جگہ دُعا کیجئے اس کے ساتھ دین کی جس خدمت کے لئے میں نے اور میرے ساتھیوں نے کمر کس لی ہے اس پر استقامت کے لئے اللہ سے دُعا کریں۔ اور دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرامؓ کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو دین کا سپاہی بنائے آمین۔

بقیہ : عظمتِ قرآن

سامان دوسروں کے حق میں مفید ہو سکتا ہے، لیکن اس امت کے لئے یہ اُس وقت مفید ہو گا جب یہ اپنے مرکز کے ساتھ بھی وابستہ ہو جائے۔ اور ہمارا مرکز، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں قرآن ہے۔ ہمارے اتحاد کی اگر کوئی بنیاد ہے تو قرآن ہے۔ ہمارے عروج و بلندی کے لئے اگر کوئی زینہ ہے تو قرآن ہے۔ اور ذلت و رسوائی سے نجات کا کوئی راستہ ہے تو قرآن ہے۔ ہماری قسمت اسی کتاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر کوئی راستہ کھلے گا تو اسی کے ذریعے سے کھلے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اس کتاب کو حرزِ جان بنانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے جو جملہ حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں، ان کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ **اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات۔**

افہام وتفہیم

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی کے ۱۹ مئی کے ہفتہ وار درس قرآن کے پروگرام میں

شرکاءِ درس کے سوالات اور امیر تنظیم کے جوابات

○ ـ س ـ ایک حدیث مبارکہ میں نہی عن المنکر کے ضمن میں فرمایا گیا ہے کہ: "مَنْ رَاٰی مِنکُم مُنکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ... الی الاخر"۔ اس بات کے جاننے کی خواہش ہے کہ آپ کی تنظیم اسلامی اس سلسلے میں کیا کر رہی ہے؟ (عبداللہ)

☆ ـ ج ـ اس حدیث میں حضورؐ نے نہی عن المنکر کے تین درجے بیان کئے ہیں۔ بدی کے خلاف جدوجہد میں سب سے اونچا درجہ "بیدہٖ" کا ہے۔ یعنی اسے دیکھنے والا اسے اپنے زورِ بازو سے روک دے، طاقت کے ساتھ برائی کا قلع قمع کر دیا جائے۔ لیکن "فَاِن لَّمْ یَسْتَطِعْ" اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو: "فَبِلِسَانِہٖ" تو پھر اپنی زبان سے۔ "فَاِن لَّمْ یَسْتَطِعْ" اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو یا حالات سازگار نہ ہوں: "فَبِقَلْبِہٖ" تو دل سے برائی سے نفرت ضرور کرے۔ "وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ" اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں ہمارے سامنے بالفعل جو شکل آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک انسان کو جہاں اختیار حاصل ہے، وہاں تو اسے اسی وقت طاقت کے ساتھ بدی کو روکنا ہے۔ اپنے وجود پر اختیار حاصل ہے، لہٰذا طاقت سے نفس کو روکنا ہوگا۔ بمصداق الفاظ قرآنی: وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی "اور جس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکے رکھا"۔ اسی طریقے سے آپ اپنے گھر میں سربراہ ہیں، وہاں کوئی بدی نہ ہونے دیں اور اسے طاقت کے ساتھ روکیں ــــــ اور جہاں آپ کے پاس طاقت اور اختیار نہیں ہے وہاں آپ طاقت فراہم کرنے کی کوشش کریں۔

اب پورے معاشرے میں بدی کو روکنے کے لئے جو ایک اجتماعی طاقت درکار ہے، وہ ایک منظم جماعت یا تنظیم کی صورت ہی میں حاصل ہو سکتی ہے، جو ایسے افراد پر مشتمل

ہو جو پہلے اپنی ذات اور اپنے گھر سے برائیوں کو دور کریں۔ اور اگر وہ یہ نہیں کرتے اور جا کر باطل سے سر پھٹول کرتے ہیں تو پھر یہ منافقت ہے۔ اپنی ذات اور گھر سے بدی کو دُور کرنے والے ایسے افراد مل جل کر ایک طاقت و قوت بنیں۔ ایک حزب اللہ یعنی اللہ کی پارٹی بنیں جو تربیت یافتہ اور منظم ہوں اور جیسے جیسے بدی کے خلاف طاقت فراہم ہو اسی درجے میں بدی کو روکنا شروع کر دیں۔ اور جب تک مطلوبہ قوت میسر نہ آئے اس وقت تک "باللّسان" کے درجے میں نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ لوگوں کو زبان اور قلم سے برائیوں سے روکتے اور منع کرتے رہیں کہ دیکھو یہ برائی ہے' اسے چھوڑ دو! جیسے ہم کہتے ہیں کہ سُود حرام ہے' شریعت بل کے اندر اس کا جواز مت فراہم کرو! یہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ ہے!! یہ سب کچھ کہتے رہیں گے' لیکن ہمارے پاس طاقت تو نہیں ہے کہ ہم اسے روک سکیں۔ اس لحاظ سے اِس وقت ہماری ذمہ داری یہی ہے کہ ہم زبان سے برائی کے خلاف آواز اٹھاتے رہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جو افراد ملتے جائیں انہیں جمع کرتے جائیں' منظم کرتے جائیں' ان کی تربیت کرتے جائیں اور اس طرح جب یہ ایک طاقت بن جائیں تو انہیں پھر باطل سے ٹکرا دیا جائے کہ یہ برائی ہم نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے لئے ہم پکٹنگ (Picketing) کریں گے' پُرامن مظاہرے کریں گے۔ اور اس میں اگر ہم پر تشدد ہوا تو برداشت کریں گے' لاٹھی چارج ہو گا تو جھیلیں گے' گولیاں چلیں تو کھائیں گے اور موت کو خوش آمدید کہیں گے۔ لیکن اس سے پہلے اس طاقت کو وجود میں لانا ضروری ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔

یہ بات بظاہر بزدلی کی معلوم ہوتی ہے' مگر میں اس کا جواب سیرت النبیؐ کے حوالے سے آپ کو دینا چاہتا ہوں۔ کیا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بزدلی یا کم ہمتی کا شبہ کیا جا سکتا ہے؟ مگر آپؐ نے کیا لائحہ عمل اختیار کیا؟ زبان سے تو پہلے دن سے کہا کہ یہ بُت باطل ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں' لیکن فوری طور پر بتوں کو توڑا نہیں۔ جب تک جمعیت فراہم نہیں ہو گئی ان پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ آپؐ اسی خانہ کعبہ کا طواف کرتے رہے جس میں بُت بھی رکھے ہوئے تھے اور تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے اسی حرم میں کھڑے ہو کر نمازیں پڑھیں جہاں چاروں اطراف میں بت رکھے ہوئے تھے۔ وحی کے

آغاز کے بعد پورے تیرہ برس آپؐ نے اسی کیفیت میں گزارے۔ آپؐ نے، معاذ اللہ، بت پرستی نہیں کی، اور نہ ہی وحی سے پہلے کی تھی۔ نبی تو پیدائشی معصوم ہوتے ہیں اور اللہ انہیں بدی سے بچاتا ہے۔ تو آپؐ نے تیرہ برس تک دعوت دی اور نہی عن المنکر کا فریضہ باللسان سرانجام دیا۔ زبانی دعوت اور تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو جمع کیا۔ جو خود بُت پرستی سے تائب ہوگئے ان کو ایک طاقت بنایا۔ انہیں حزب اللہ بنایا۔

"اُولٰئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

پھر اس طاقت کا باطل کے ساتھ مسلح تصادم بھی کرایا۔ بدر و احد کے معرکے بھی ہوئے اور پھر آپؐ جب فاتح کی حیثیت سے مکے میں داخل ہوئے تو آپؐ نے بیت اللہ میں داخل ہو کر پہلا کام یہ فرمایا کہ ان بتوں کو توڑ دیا۔

ہمارے لئے یہ بڑی روشن مثال ہے کہ "نہی عن المنکر بالید" کا مرحلہ کونسا ہے اور "باللسان" کا مرحلہ کونسا ہے۔ جب تک مطلوبہ جمعیت اور طاقت فراہم نہیں ہوتی، تب تک یہ تنظیم اپنے افراد کی اصلاح کرتی رہے اور "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا" کے قرآنی الفاظ پر عمل کرتی رہے۔ اور اگر یہ خود تو "قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا" کی عملی تصویر ہو اور بدی کے خلاف جہاد کرنے کے لئے سڑکوں پر آجائے تو یہ طریقہ عقل و منطق کے بھی خلاف ہے اور سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بھی متعارض ہے۔ ہم اس وقت نہی عن المنکر باللسان کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دیئے رکھے اور ہمیں اس سے بچائے کہ ہم کسی خوف اور لالچ کی وجہ سے زبان کو بند رکھیں۔ البتہ یہ ساری دعوت اور تنظیم اس مقصد کے لئے ہے کہ ایک قوت فراہم ہو جائے، پھر ہم للکاریں گے اور چیلنج کریں گے کہ یہ منکر ہے اور ہمارے جیتے جی یہ کام نہیں ہوگا!!

○ ۔ س ۔ بندہ اپنی زندگی خیر و شر کی جدوجہد میں گزارتا ہے اور آخری لمحے تک اس جنگ سے گزرتا ہے۔ کیا موت سے پہلے انسان پر کبھی یہ حقیقت آشکار ہو سکتی ہے کہ وہ دنیا سے کیا لے کر جا رہا ہے؟ (غلام محمد بھٹی)

☆ ۔ ج ۔ اس سوال کا جواب سورۃ قیامہ میں بہت صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ انسان اپنے بارے میں خوب جانتا ہے: "بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ"۔ انسان کو اپنے

نفس پر پوری بصیرت حاصل ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں کیا ہوں اور کتنے پانی میں ہوں۔ "وَلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ" چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔ وہ دوسروں کی زبان بند کرنے کے لئے بہانے بنا سکتا ہے، جھوٹ بول سکتا ہے اور اپنے اعمال کی عقلی توجیہات بیان کر سکتا ہے۔ مگر جس وقت انسان ان طریقوں سے دوسروں کی زبان بند کر دیتا ہے اس وقت بھی اس کا ضمیر (Conscience) اندر سے اسے ملامت کرتا ہے کہ نہیں، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے یہ عمل اسی ارادے سے کیا تھا جس کی تم نفی کر رہے ہو۔ تمہارا مقصد خیر نہیں بلکہ شر تھا۔ اسی نفسِ ملامت گر کی سورۂ قیامہ میں قسم کھائی گئی ہے:

"لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝"

انسان اگر رات کی تاریکیوں میں دروں بینی کرے اور تنہائیوں میں غور کرے تو اس پر یہ بات پوری طرح منکشف ہو جائے گی کہ میں کہاں کھڑا ہوں اور کتنے پانی میں ہوں!۔ قرآن میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ لوگ جب میدانِ حشر میں کھڑے ہوئے ہوں گے تو ان کا انجام ان کے چہروں پر لکھا ہوا ہوگا: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ "اور بہت سے چہرے اس روز غبار آلود ہوں گے اور مایوسی کی سیاہی ان پر چھائی ہوئی ہوگی"۔ ایسا کیوں ہوگا؟ اس کی مثال یہ ہے کہ ہائی اسکول میں جس روز رزلٹ نکلنا ہوتا ہے تو اسے سننے کے لئے سب کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کے چہرے پر نتیجہ تو لکھا ہوتا ہے! جو فیل ہے اسے معلوم ہے کہ میں نے امتحان میں کیا کیا تھا اور جو پاس ہے اسے بھی پتہ ہے۔ آج کے مروجہ غلط طریقوں کی وجہ سے کوئی طالب علم اپنے پاس ہونے کی امید کر رہا ہو تو یہ دوسری بات ہے لیکن جب تک یہ طریقے رائج نہیں تھے تو واقعہ یہ ہے کہ ہر بچے کے چہرے پر لکھا ہوتا تھا کہ یہ فیل ہو رہا ہے یا پاس!۔ اور جو زیادہ ہوشیار تھے، انہیں فکر یہ ہوتی تھی کہ فرسٹ آ رہا ہوں یا نہیں! ـــــ اسے اس کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا تھا کہ میں فیل ہو جاؤں گا۔

اسی سے عذابِ قبر کی توجیہہ بھی ہوتی ہے کہ اگرچہ حساب کتاب اور اللہ کی طرف سے رزلٹ تو یوم القیمٰہ کو ڈکلیئر ہوگا لیکن عالمِ برزخ کی زندگی میں اس کا ایک عکس پڑتا رہتا ہے۔ انگریزی میں کہتے ہیں کہ:

"Coming events cast their shadows before."

تو قیامت میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا ایک عکس عالمِ برزخ میں پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ حدیث میں اسے یوں تعبیر کیا گیا کہ "قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے' یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے"۔ یا یہ فرمایا گیا کہ "قبر میں جنت یا جہنم کی طرف سے ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے' جس سے یا تو جنت کی ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں یا جہنم کی لو یا آگ کی لپٹ آتی ہے"۔ یہ اس لئے کہ انسان کو خود پتہ ہے کہ میں کیا کر کے آیا ہوں!

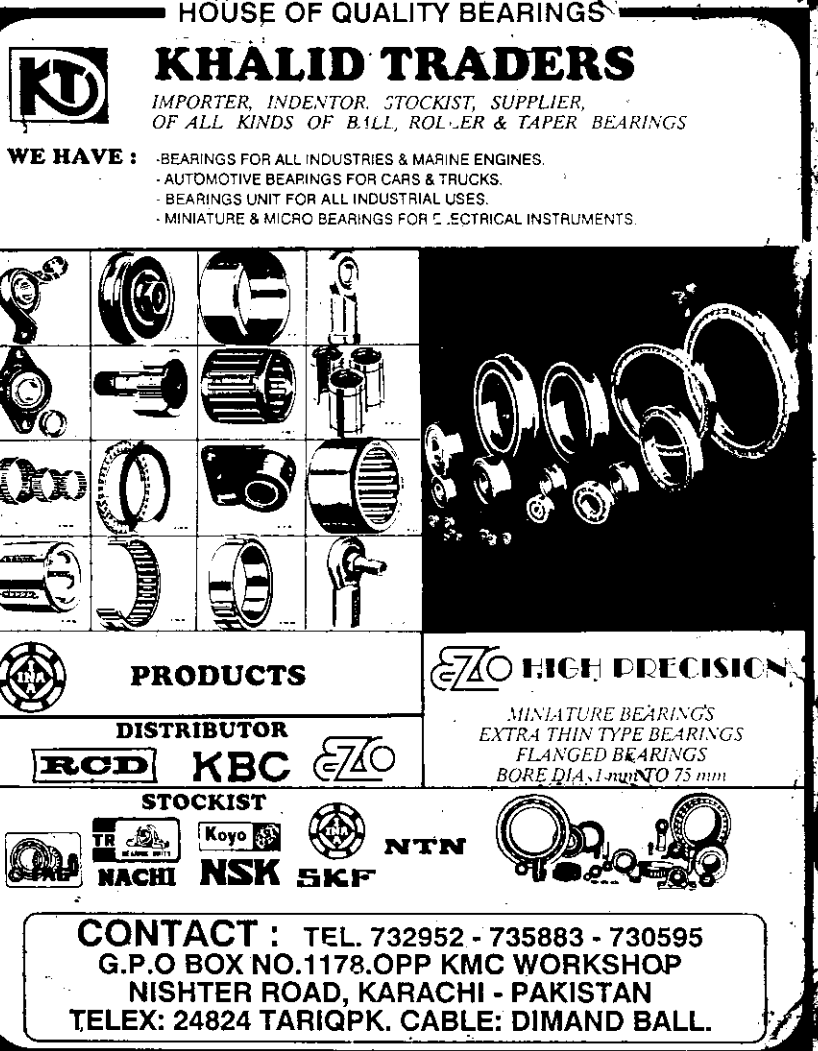

لائبریری
قرآن اکیڈمی کراچی

نئی کارمینا نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے زیادہ پُرتاثیر

انسان کی تن درستی کا زیادہ تر انحصار معدے اور جگر کی صحت مند کارکردگی پر ہے۔ اگر نظامِ ہضم درست نہ ہو تو دردِ شکم، بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن، گرانی یا بھوک کی کمی جیسی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں جس کے سبب غذا صحیح طور پر جزوِ بدن نہیں بنتی اور صحت رفتہ رفتہ متاثر ہونے لگتی ہے۔

پاکستان اور دنیا کے بہت سے ممالک میں ہمدرد کی کارمینا پیٹ کی خرابیوں کے لیے ایک مؤثر نباتی دوا کے طور پر شہرت رکھتی ہے۔ چونکہ یہ ہر گھر کی اہم ضرورت ہے اس لیے ہمدرد کی تجربہ گاہوں میں اس کی افادیت پر ہمہ وقت تحقیق و تجربات کا عمل جاری رہتا ہے۔ نئی کارمینا اسی تحقیق کا حاصل ہے۔ نئی کارمینا کو پودینے کے جوہر اور دیگر مفید و مؤثر اجزا کے اضافے سے زیادہ قوی، پُرتاثیر اور خوش ذائقہ بنا دیا گیا ہے۔

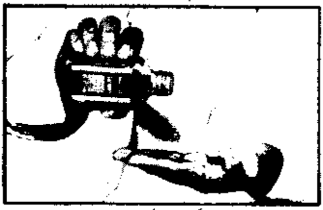

نئی کارمینا نظامِ ہضم کو بیدار کرنے، معدے اور آنتوں کے افعال کو منظم و درست رکھنے میں زیادہ کارگر ہے۔

بچوں بڑوں سب کے لیے مفید **نئی کارمینا** ہمیشہ گھر میں رکھیے

ہمدرد
تحقیق، رُوحِ تخلیق ہے

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

Adarts CAR- 4,88